مآثر الشعراء

مرتبہ :- نصیر علوی

ماثر الشعراء

یعنے

سالانہ مشاعرہ مین پوری منعقدہ ۲۶، ۲۷ر اپریل سنہ ۱۹۳۰ء کی

غزلیات مع حالات شعراء

مرتبہ

سید محمد نصیر الدین علوی ایم اے ایل ایل بی علیگ منصف مین پوری

شائع کردہ

سکریٹری مشاعرہ کمیٹی مین پوری

در مطبع فرخ سیر فرخ آباد مطبوع شد

قیمت فی جلد ۸/

فہرست مضامین

			صفحہ
۱۔	تبصرہ و تعارف	(از کشتہ قادری)	۳
۲۔	روداد مشاعرہ	(از نصیر علوی)	۱۴
۳۔	خیر مقدم	(")	۲۳
۴۔	فہرست	(")	۲۵
۵۔	خیالستان	(غزلیات مشاعرہ)	۳۱
۶۔	ظرافتستان	(")	۱۴۵
۷	باقیات	(بقیہ حالات)	۱۵۴

بعونہٖ تعالےٰ

تبصرہ و تعارف

اصل مقصد (تعارف) کی انجام دہی سے پہلے مناسبت موقع کے لحاظ سے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ پہلے "مشاعرہ" اس کی ایجاد اور اس کی موجودہ حالت، احتیاج، اصطلاحات پر ذرا ایک طائرانہ نظر ڈال دی جائے۔ موجودہ صورت میں مشاعرے دنیا میں کب سے قائم ہیں؟ کچھ پتہ نہیں چلتا عرب میں شعراء کسی خاص جذبے سے متاثر ہو کر آزادانہ طور پر جو چاہتے کہتے عموماً وہ فی البدیہہ کہا کرتے تھے اور میلوں یا مذہبی مجامع کے مواقع پر جیسا کہ "سوق عکاظ" کی تاریخ اور "سبعہ معلقہ" کے حالات بتاتے ہیں۔ وہاں کا شاعر کسی خاص ردیف و قافیہ کی پابندیوں میں ابھی نہیں جکڑا گیا۔ یورپ بھی اس مذاق سے خالی اور وہاں کا شاعر بھی آزادِ مطلق تھا۔ البتہ انگلینڈ میں چارلس دوم کے عہد سترھویں صدی میں جب وہاں قہوہ خانے کھل گئے ہیں اور ان میں مل جل کر بیٹھنے اور خوش گپیوں میں اوقات بسر کرنے کا مذاق ترقی کر گیا ہے تو اتنا ضرور ہوتا تھا کہ شعراء اپنا تازہ کلام وہاں سنایا کرتے تھے۔ تاہم کسی عنوان یا وزن و قافیہ کے پابند نہ تھے۔ جو جی چاہتا کہتے سنتے سناتے اور ایک دوسرے سے متاثر ہوتے تھے۔ ڈرائڈن کی ہزلیات[؎] نے اسی دور میں فروغ پایا تھا۔ اس بدعت (ایک حد تک "حسنہ") کا سنگ بنیاد سرزمین ایران

[؎] Satire

میں لکھا گیا۔ وہاں کے متعلق بھی کوئی خاص تذکرہ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس امر میں ادبیات ایران کی مستند تاریخ "شعر العجم" بھی خاموش ہے۔ البتہ علامہ شبلی مرحوم کے بیان سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ حافظ صاحب کے دور سے پہلے پہلے وہاں مشاعروں کی بنیاد پڑ چکی تھی کیونکہ حسب بیان موصوف ابتداءً آپ کا کلام ایسا کچھ ہوتا تھا کہ لوگ مہمل و بے معنی کلام کو "حافظیہ" کے یعنی خطاب سے مخاطب کیا کرتے تھے۔ لیکن جب طرح بھی آپ نے کسب کمال کیا اس کے بعد پہلی غزل جب مشاعرے میں پڑھی تو لوگوں کو بے حد تعجب ہوا۔ اور اس کے بعد پھر آپ نے شہرت کی ایک نئی دنیا میں قدم رکھا۔

جب مسلمان ہندوستان پہنچے تو سلاطین مغلیہ ہند کے دور کے بعض واقعات بتلاتے ہیں کہ ان کے دربار میں کسی استاد کی غزل یا مصرعہ بطور طرح دیا جاتا اور لوگ اس پر طبع آزمائی کیا کرتے تھے۔ علامہ شبلی جہانگیر اور اس کی تزک میں جہانگیر کے ذوق شعری کا تذکرہ فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

(۱) "جہانگیر کے عہد میں ایک مرتبہ خانخاناں (عبدالرحیم بن بیرم خاں) نے یہ غزل طرح کی۔ نوبہار گل، جمعیت ہر خار مے باید کشید۔ مصرعہ شگفتہ تھا۔ جہانگیر نے فی البدیہہ مطلع کہا۔

ساغرے بر رخ گلزار می باید کشید ⁂ ابر بسیار است مے بسیار می باید کشید

(۲) ایک دفعہ دربار میں امیر الامرا کا یہ شعر پڑھا گیا۔

بگذر مسیح از سر ما کشتگان عشق
یک زندہ کردن تو بصد خوں برابر است

جہانگیر کے اشارے سے سب نے اس پر غزلیں لکھیں۔ خود کہا

از من متاب رخ کہ نیم بے تو یک نفس
یک دل شکستنِ تو بصد خون برابر است

اور یہ واقعات بتلاتے ہیں۔ ایران میں عرصہ دراز سے یہ طرز رائج ہو گئی تھی جس کا اتباع یہ لوگ کر رہے تھے تاہم سلاطین و امرا کے دائرے سے نکلکر اس طریقے نے باہر قدم نہیں رکھا کیونکہ شخصی حکومتوں میں عموماً بادشاہ اور اس کے ایک خاص دائرہ ہی پر تمام علمی و فنی دنیا کی ترقیات کا دار و مدار ہوا کرتا ہے۔ اہل ملک بطور خود ذرا اس طرف کم ہی توجہ کرتے ہیں۔

اردو نے جب جنم لیا ہوگا تو جہاں اور طور و طریقے فارسی سے سیکھے اس عالم میں بھی اسی کی پیرو ہو گئی۔ اردوے معلیٰ دہلی کے مشاعروں کے قہقہے آج تک آبحیات سے ڈھل ڈھل کر فضائے بقا میں گونج رہے ہیں۔

درحقیقت زمانہ پیشینہ کے لئے کہ نشر و اشاعت کے سامان و ذرائع کی بہت کمی تھی یہ طریقہ احسن تھا۔ پھر ایک نو ایجاد اور اتفاقیہ طور پر وجود میں آئی ہوئی زبان کی توسیع و ترقی کے لئے بہت ہی ضروری۔ اگلے زمانے کے مقابلوں کی کیفیت زور طبیعت و شور شاعری کو زبردست مدد دیتی تھی۔ سودا، میر، انشا، مصحفی، انیس، دبیر، غالب، و ذوق کے سوانح و حالات شاعری اس بیان کے شاہد صادق ہیں۔ پھر اس زمانہ کے مشاعرے مشاعرے نہ ہوتے تھے۔ ادبستان تھے کہ جہاں منعقد ہوتے لوگ عاقد کو ایک خاص عزت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ آج کل کا سا حال نہ تھا کہ ختنہ ہے تو مشاعرہ، عقیقہ ہے تو مشاعرہ، شادی ہے تو مشاعرہ، غسل صحت ہے تو مشاعرہ، مشاعرہ کیا ہوا تفریح گاہ اور شاعر کیا ہوئے خدانخواستہ ارباب نشاط کہ بجائے ساز بدست ہونے کے ساز بیاز در بغل و نغمہ در گلو۔ گرمی محفل کا باعث ہوتے پھرتے ہیں۔

آج زمانہ کے مذاق اور اس کے نتیجے قابلیت، ادبیت، ترقی زبان، انسان گری دوسرے زمانہ میں کچھ مقاصد بعض پورے ہوا کئے۔ دوسرے کی داد اڑانا، اور شاعر و شعرا سے ہمارے مشاعروں کی حالت ایام جاہلیت عرب کی مثل ہوگئی ہے کہ

کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا　　کہیں گھوڑا آگے بڑھانے پہ جھگڑا ہے

مقدم پڑھنے پڑھانے پہ جھگڑا، بلانے نہ بلانے پہ جھگڑا، داد دینے دلانے پہ جھگڑا، حسب بخواہ خاطر نہ کرنے پہ جھگڑا۔ میری رائے میں خوشگوار تعلقات کو بیخ اور ہر اسم شگفتہ کو پژمردہ کرنا ہو تو مشاعرے منعقد اور ان میں شرکت کرنے سے بہتر کوئی تدبیر نہیں۔ لہٰذا بہر رسائل اخبارات، مطابع اور اسباب نشر و اشاعت تخیلات کی بہتات و فراوانی کی موجودگی میں اب مشاعروں کی ضرورت نہیں خصوصاً جبکہ غزل کا قافیہ تنگ ہو گیا ہو اور نصف صدی سے زائد ردیف و قافیہ کی پابندیاں شعراء کے بڑھے ہوئے حوصلوں، رواں طبیعتوں اور آزادیوں کا کافی سے زائد خون کر چکی ہوں اور اگر لوگ اس رسم قدیم کی پابندی کو ضروری ہی سمجھتے ہیں تو بہت ہی زبردست اصلاح کی ضرورت ہے اور مندرجہ ذیل سطحی رفارم کے بعد یہ مشاعرے کچھ مفید مطلب ثابت ہو سکتے ہیں۔

(۱) ایک آل انڈیا مشاعرہ کمیٹی قائم کی جائے اس کے قواعد و ضوابط مرتب کر کے کتابی صورت میں شائع کر دیئے جائیں۔ اس کا ایک ہفتہ وار آرگن ہو جس میں ادب لطیف کی منتخب شاہکاروں کے علاوہ لائحہ عمل کی ترمیمات اور ان کے متعلق تجاویز و اصلاحات برابر شائع ہوتی رہا کریں۔ اس کا صدر دفتر دہلی، لکھنؤ، آگرہ، لاہور، حیدر آباد میں سے کہیں قائم کیا جائے اور سالانہ مدعو شدہ مقام پر اس کا اجلاس ہوا کرے۔

(۲) حسب مناسبت دیہات اور قصبات میں شاخیں کھولی جائیں۔ جو اپنے امصار کی مجلس

مشاعرہ کے ماتحت ہوں اور مجالس امصار کمشنری کے مرکزی مجلس کے اور قسمتی مجالس صوبہ واری مجالس کے اور وہ آل انڈیا مشاعرہ کمیٹی کے ماتحت ہوں اگر ہو سکیں تو شہری و قسمتی انجمنیں اپنا ایک ایک آرگن ضرور جاری کریں

(۳) مشاعرے ماہانہ ہوں لیکن بدیں صورت کہ ردیف قافیہ کی پابندی نہ ہو یک رنگی پیدا کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ بحر اور ردیف کی قید لگا دی جائے۔ عنوانات بھی دیے جائیں کہ شعراء ان پر طبع آزمائی کرکے نظم نگاری کے خوگر بن جائیں۔ ہر مشاعرے کا ایک باقاعدہ صدر ہو جو ایک خطبۂ صدارت بھی پڑھے اور اس میں شعر و شاعری پر باقاعدہ تبصرہ کرے۔

(۴) مقامی طور پر تو ترتیب کا یہ طریقہ زیادہ بہتر ہے کہ پہلے نو مشق شعراء غزلیں یا نظمیں پڑھیں پھر کہنہ مشق حضرات اہل لکھنؤ کا تتبع کریں کہ حلقہ باندھ کر بیٹھیں سکریٹری مجلس سے غزل شروع ہو اور اس کے داہنے جانب سے پڑھنے والوں کا تار بندھ جائے۔ کوئی مقدم ہو یا مؤخر۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہر شخص کا کلام بجائے خود ایک پایہ رکھتا ہے جو لیڈر شاعر نہیں بلکہ ایکٹر ہے۔ اور جب مجلس مرکزیہ کے جلسہ میں اکثر باہر جا کر اپنا کلام پیش کریں۔ تو مہمان را فضولی چہ کار پر عامل ہوں۔ میزبان یا انجمن کی مجلس منتظمہ جو ترتیب قائم کر دے اس کو بخاطر خاطر پسند کر لیں اور زبان کو شکایت آشنا ہونے نہ دیں۔ میزبان اور مجلس منتظمہ کے لئے میرے خیال میں سر جلسہ قرعہ اندازی زیادہ مناسب صورت ہے۔ اور وہ بھی جب تک تقدم و تاخر کا نظریہ قائم ہے۔

(۵) مقامی مجالس یا دعوت کرنے والی جمعیتیں مقامی نو مشق و متوسط المشق حضرات کا مشاعرہ ایک روز پہلے کر کے منتخب شعراء اور ان کے منتخب کلام کو مجلس مشاعرہ میں

دوسرے دن بار دیں کہ تضیع اوقات و طول صحبت کا انجام بجز بر داشتہ خاطری و عدم توجہی اور کچھ نہیں۔

(۶) ایسی تدابیر اختیار کی جائیں کہ منصب استادی کے متمنی حضرات اپنے اس طرز عمل کو قطعی ترک کر دیں کہ شاگردوں کو از الف تا یا غزل لکھ کر دیجائے۔ جو شخص ایسا کرے اس کو شاعروں کی برادری سے خارج کرا دیا جائے۔ ہاں اصلاح ضرور دیں۔ شاگرد کا دل بڑھانے یا غزل کی واقعی کمی پورا کرنے کے لئے ایک آدھ شعر دیدیں تو مضائقہ نہیں۔ درحقیقت یہ حضرات شاعری اور ایک امکانی بننے والے شاعر کے ساتھ ظلم کرتے ہیں۔

(۷) کسی جگہ مدعو ہونے پر تلامذہ اور احباب کی فوج لیکر جانا میزبانوں کی دقتوں میں اضافہ کرنا ہے اس سے شاعر کی شخصیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ مختلف علوم و فنون کے بہت سے ایسے مشاہیر ملیں گے جن کے تلامذہ تو کم تھے لیکن پھر بھی انھوں نے ایک خاص پایہ امتیاز حاصل کیا۔ وہ کسی اسکول کے بانی ہوئے۔ اس لئے اس عادت کو ترک کیا جائے۔

(۸) اگر کوئی مدعو کرنے پر ماحول کے واقعات سے مجبور ہو کر نہ آسکے تو برا نہ مانیں۔

(۹) ہر میزبان اپنے مہمان کی مدارات حتی الوسع بخوبی کرتا ہے اور نہیں چاہتا کہ مہمان کو ذرا بھی تکلیف ہو۔ پھر بھی وہ غیب داں نہیں ہوتا۔ لہذا مہمان کے موافق و ناموافق مزاج امور، معمولات اور خصوصیات سے بغیر آگاہ کئے ہوئے اس کا مطلع ہو جانا ناممکن ہے۔ اس لئے اول تو مزاج کو سادگی پسند بنانا چاہئے۔ دوسرے میزبان سے بے تکلف اپنی ضروریات خصوصیات کو بیان کر دینا چاہئے اور اگر اس پر کمی کوتاہی ہو تو دل گرفتہ نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ کوئی شاعر جب مشاعرے میں جاتا ہی تو ایک دبی

خدمت انجام دیتا ہے۔ ایک خادم کو دوران خدمت اگر راحت نہ ملے تو اُسے موقع شکایت کیا۔ داعی میزبان بھی تو خلاف معمول کچھ تکلیفیں ہی اٹھاتا ہے۔ لہذا خود کو اور اُسے مساوی سمجھنا چاہئے۔

(۱۰) مشاعرے کا انتخاب بپابندی قافیہ اساتذہ کا پورا کلام اور تمام شعرائے شریک مشاعرہ کے حالات ایک بار ضرور شایع کئے جائیں۔ ترقی کرنے والے شعراء کے حالات و تغیرات برحالات گزشتہ کے سلسلہ میں برابر اضافہ کیا جائے تاکہ آئندہ زندگی میں وہ شاعری کے لئے کوئی مفید ہستی یا کسی طرز خاص کے بانی قرار پائیں تو ان کے حالات شاعری اور اس طرز خاص کے تعمیری علل و اسباب آسانی کے ساتھ معلوم ہو سکیں اور شعبہ تاریخ ادب کے لئے سرمایہ مسلسل تیار ہوتا ہے۔

(۱۱) ایک جمعیت باقاعدہ بیٹھکر تشبیہات، استعارات، تلمیحات اور اسالیب بیان میں سے فرسودہ اور پامال چیزوں کو خارج کردے اور آیندہ کے لئے ایک اسکیم بنا کر تعلیم عمل دے۔

یہ ہیں وہ سرسری و سطحی اصلاحیں جن کے بعد شاعروں کی دنیا ادبیات کو فائدہ پہونچا سکتی ہے۔ اور شاعری کچھ ترقی کرسکتی ہے۔

اس ہرزہ سرائی کے بعد جو غالباً نغمہ بے ہنگام سے کم نہیں ہیں اصل مقصد یعنی "تعارف" "مآثر الشعراء" کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔

مین پوری کا مشاعرہ مورخہ ۲۶ر لغایتہ ۲۷ر اپریل سنہ ۱۹۳۰ء اپنی نوعیت میں ایک بہترین مشاعرہ تھا۔ کافی شعراء تھے۔ کافی سے زیادہ اچھا کلام تھا۔ انتظام بہت ہی اچھا تھا۔ یہ اسی کی غزلیات ہیں جو کتابی شکل میں مشاعرہ کمیٹی نے نذر ارباب ذوق کی ہیں۔ اور جنھیں فاضل مرتب جناب سید نصیر الدین صاحب نصیر علوی ایم۔ اے۔ ایل۔ بی منصف

بھیجی ہیں ان کو بہت مختصر مگر جامع انداز کے ساتھ بصورت حالات شعرا ترتیب دیا ہے۔
مرتب صاحب کے حالات سوانح شعرا کے ذیل صفحہ ۱۳۶ پر ملاحظہ فرمائیے ان کے
ذوقِ ادبی کے متعلق میں کہوں گا کہ فرائض منصبی کی ادائگی اور استراحت حقیقی کے بعد وقت
کاشاید ہی کوئی لمحہ ادبی مصروفیت سے خالی جاتا ہو۔ انھیں ہر وقت ترقی ادبیات کی ایک
دھن لگی رہتی ہے۔ ان کا بنگلہ مرجع ادبا و اہل علم ہے۔ ممدوح کی اسی علمی مشغولیت و دلچسپی ہی
کا باعث ہے کہ انھوں نے ایک معمولی سے مسودے "غزلیات مع سوانح" کی ترتیب کو نہایت
اختصار اور جامع و نافع طریق پر عملی جامہ پہنا دیا۔ کہنے اور کرنے میں بڑا فرق ہے۔ ہر شخص سے
اس کے حالات طلب کرنا، خطوط یاد دہانی بھیجنا، ان حالات کو پڑھنا، ایک معنی خیز اختصار
کے قالب میں ڈھالنا، کار دشوار تھا جس کو موصوف نے نہایت عمدگی کے ساتھ انجام دیا ہے۔
ساتھ ہی اس کے "روداد" کے ذیل میں یورپ کی شاعری اور مشاعروں کی تاریخی نوعیت
اور ان کے ارتقا پر معقول تبصرہ کیا ہے۔

مجھے یہ عرض کرنے میں ذرا بھی دریغ نہیں کہ اس میں ایک خاص کمی رہ گئی یعنی شعرا
کی خصوصیات کلام اور ان کے کلام پر ریویو نظر انداز ہو گیا لیکن اس امر کو جناب نصیر صاحب
کی فروگذاشت نہ سمجھنا چاہیے کیونکہ موصوف ایک غزل ملاحظہ کر کے کوئی رائے قائم نہیں
کر سکتے تھے۔ اس کے لیے ہر شاعر کا معقول کلام پیش نظر ہونا چاہیے تھا۔ جہاں تک
مجھے معلوم ہو سکا حقیقتاً یہ کوتاہی حالات بھیجنے والے حضرات نے کی کہ اپنے زاویہ نگاہ
شاعری سے مطلع نہ کیا۔ خیر ہر کام کی ابتدا ایسی ہی ہوتی ہے۔ نقاش نقش ثانی بہتر کشد
ز اول۔ آیندہ یہ کوتاہیاں رفع ہو جاوینگی۔ بہرصورت چونکہ "مآثر الشعرا" ایک مختصر
"قاموس الشعرا" (Poets Encyclopedea) کا حکم رکھتی ہے۔ اور

ادبیات اردو میں ایک نئے باب کا افتتاح کر رہی ہے۔ اس لئے جناب نصیر جنہوں نے اپنے دیباچہ تار و مدار میں شکریوں کے انبار لگا دیئے ہیں۔ اردو کی ادبی دنیا کی جانب سے ایک خاص شکریہ کے مستحق ہیں۔

ساتھ ہی ظہیر الدین احمد صاحب ظہیر علوی ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی بھی جنہوں نے میرٹھ میں مصنف صاحب کے دوش بدوش مشاعرہ اور ترتیب مشاعرہ میں کافی زحمت اٹھائی غالباً نصیر صاحب نے ان کو برادر خورد سمجھ کر یہ اور ان کی فطری قوت بازو ہونے کی بنا پر نظر انداز کیا۔

ناچیز
کشتہ قادری
مدرس السنہ مشرقیہ
گورنمنٹ ہائی اسکول

مین پوری

۱۲ فروری

سنہ ۳۱ء

بعز اسمہٖ

رُوداد مشاعرہ مین پوری

منعقدہ ۲۶ لغایہ ۲۷ اپریل سنہ ۱۹۳۰ء

مین پوری ایک جانب مولد اردو دہلی اور دوسری طرف منشائے اردو لکھنؤ سے قربت قریبہ رکھنے کے علاوہ دہلی و لکھنؤ کی خوشگوار مرکب اردو کے مرکز ارض تاج (آگرہ) کے جوار میں واقع ہے اور ایک سرسبز و شاداب خطہ ہے۔ اور انہیں طبعی، جغرافیائی و ماحولی اسباب نے اس کو شعرزار بنانے میں کمی و کوتاہی نہیں کی۔ اور وہ ہمیشہ ایک ممتاز پایہ ادب کی مالک بھی رہی۔ مگر نہ معلوم کیوں اس کے نجم درخشاں فلکِ شہرت پر جلوہ گر نہ ہو سکے۔ تاہم حضرتِ منیر اعلی اللہ مقامہ کی شخصیت جو اس ضلع کے ایک ممتاز قصبہ شکوہ آباد کے متوطن تھے آسمان ادب پر نیرِ تاباں بن کر چمکی جس نے اس سرزمین کو عالم ادبیات میں اس طرح روشناس کرا دیا کہ ارباب ادب اُسے کبھی محو و فراموش کر ہی نہیں سکتے۔

مین پوری نے اپنے متذکرہ بالا ادبی وقار کو کبھی مردہ نہیں ہونے دیا۔ اور کم از کم مشاعروں کی صورت میں وہ احیائے و ارتقائے ادب کی دوڑ میں ہمیشہ ایک سعی کامیاب کرتی رہی۔

مین پوری کے مشاعروں کے ابتدائی، تاریخی حالات تو قطعی تاریکی میں ہیں۔ البتہ یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ آج سے پینتالیس سال قبل میر طاہر علی طاہر فرخ آبادی (تلمیذ صغیر فرخ آبادی مرحوم)، مولوی عبدالوحید فدا گلاوٹھوی اور منشی حیات بخش رسا فرخ آبادی، دیبی پرشاد

مائل مین پوری (تلامذہ نواب مرزا داغ مرحوم) کے زمانہ میں جبکہ باستثنائے مائل یہ حضرات بسلسلہ ملازمت عدالت ہائے دیوانی و فوجداری مقیم مین پوری تھے۔ یہاں شعر و شاعری کے خوب خوب چرچے رہے۔ اور ایک مشاعرہ قائم ہوا جو کچھ زیادہ باقاعدہ نہیں تھا۔

مولانا محسن کاکوروی مرحوم ایک مدت دراز تک بسلسلہ وکالت مقیم مین پوری رہے ہیں آپ کا دستور تھا کہ جب تازہ کلام تصنیف فرماتے تو اپنے یہاں سخن فہم و سخن گو حضرات کو جمع کر کے سنایا کرتے تھے۔ اور اس طرح ایک اچھا خاص مجمع شعراء یکجا ہو جاتا تھا۔ اور اس طرح رسم پیشینہ مشاعرہ مین پوری کی یک گونہ تجدید بھی ہو گئی۔ تا آنکہ منشی درگا پرشاد صاحب چیف ریڈر کے یہاں جو اس زمانے کے ادبی مذاق رکھنے والے حضرات میں مین پوری میں ایک ممتاز ہستی تھے۔ باقاعدہ مشاعرے ہونے لگے۔ مولانا مرحوم کے صاحبزادے مولوی نور الحسن (صاحب نور اللغات) نے مولانا کے بعد یہیں وکالت کی۔ اور اس صحبت کو قائم رکھا۔ آپ ہی کے زمانے میں سالانہ مشاعروں کی بنیاد پڑ گئی تھی جس نے سنہ ۱۹۰۱ء سے ایک منضبط و منتظم صورت اختیار کر لی اس وقت سے اس وقت تک شاید ہی کوئی سال گزرا ہو جس میں ایک شاندار کامیاب مشاعرہ نہ ہوا ہو۔

سنہ ۱۹۲۳ء میں مین پوری میں نمائش قائم ہوئی اور بنظر سہولت و اجتماع "مشاعرہ" جزو نمائش بنا دیا گیا۔ اس سلسلہ کا "مشاعرہ" بابتہ مارچ سنہ ۱۹۳۱ء جو تفریح الشعراء جناب محمد اسمٰعیل صاحب رنگین کی یادگار میں منعقد ہوا۔ یہاں کے تمام گزشتہ مشاعروں میں سب سے زیادہ شاندار و نمایاں تھا۔ اس مشاعرہ کی غزلیات "فانوس خیال" کے نام سے طبع ہو کر اہل نظر کی جاذبیت تام حاصل کر چکی ہیں۔

مارچ سنہ ۱۹۳۰ء میں گرانی اور عوام کی پریشانی کے باعث "نمائش کمیٹی" مین پوری نے

"التوائے نمائش" کا اعلان کیا۔ بہ نتیجہ "نمائش و مشاعرہ" لازم و ملزوم بن گئے ہیں۔ لہذا ادبیات سے مذاق رکھنے والوں کو اس سال انعقاد مشاعرہ سے بھی قطعی مایوسی ہو گئی۔

یہ امر خاص طور پر قابل عرض ہے کہ قریب قریب پچاس سال سے مجالس شعریہ مین پوری کی سرپرستی جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا عدالت ہائے مین پوری کے اہلکاروں اور حکام ضلع مین پوری و وکلا کے حصہ میں آگئی ہے۔ پچھلے دس پندرہ برس میں چمنستان ادب کی آبیاری کا سہرا حضرت اصغر مین پوری (مختار و آنریری اسسٹنٹ کلکٹر مین پوری) کے سر رہا ہے۔ اور خان بہادر مولوی زین الدین صاحب پنشنر کلکٹر مین پوری (فی الحال خزانچی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کی مساعی ترقی و تربیت تو ایسی زبردست ہیں کہ ان کے تذکرے کے واسطے ایک علاحدہ پمفلٹ کی ضرورت ہوگی۔

مائل، صادق اور شاد صاحبان کے اسمائے گرامی بھی اس امر میں محو فراموش کرنے کے قابل نہیں۔ کلکٹر صاحب موصوف کی تشریف بری کے بعد سے عموماً تمام ہی کلکٹر صاحبان مشاعرہ کی سرپرستی کرتے رہے ہیں چنانچہ اس سال بھی جبکہ مشاعرے سے قطعی ناامیدی ہو چکی تھی یہی سرپرستی قیام مشاعرہ کا باعث بن گئی۔ تقریب یہ کہ ایک دن بہ سبیل تذکرہ عالی جناب خان بہادر مقصود علی خاں صاحب کلکٹر ضلع نے یہ فرماتے ہوئے سنت کلکٹری مین پوری کو ادا کرتے ہوئے ترغیب مشاعرہ و داد ادب نوازی دی: "نمائش نہیں ہوئی تو کیا اس سال مشاعرہ بھی نہ ہوگا؟" ساتھ ہی اس امداد کا وعدہ بھی فرمایا جو نمائش کے سلسلہ میں ہمیشہ شعبہ مشاعرہ کو دی جاتی ہے۔

مثل مشہور ہے "الناس علی دین ملوکہم" کلکٹر صاحب کا ارشاد ایک صور بیداری و جوش و ہمت تھا جس کی صدا نے خفتگان غفلت کو ایک دم چونکا دیا۔ اور قریب قریب

تمام ہی حکام، وکلا، اہل کار اور اہل ذوق بسم اللہ کرکے کھڑے ہو گئے اور طرفۃ العین میں مشاعرے کی اسکیم دائرہ تخیل سے نکل کر میدان عمل میں آگئی۔

۲۶، ۲۷ / اپریل سنہ ۴۳ء تاریخ مقرر کی گئی۔ دعوت نامے ارسال ہوئے اور بے چینی کے ساتھ تاریخ مشاعرہ کا انتظار ہونے لگا۔

یوں تو قریب قریب تمام ہی مشاہیر مدعو کئے گئے تھے اور گو سب ہی تشریف نہ لا سکے لیکن علم برداران ادب اردو کی ایک معقول تعداد نے حوصلہ افزائی سے کام لیا۔

اجلاس و مسئلہ صدارت

مشاعرے کی تین نشستیں ترتیب دی گئی تھیں۔

(۱) ۲۶ / اپریل سنہ ۴۳ء کو ۸ بجے رات سے گیارہ بجے رات تک
(۲) ۲۷ / ،، ،، کو ایک بجے دن سے پانچ بجے شام تک
(۳) ،، ،، ،، کو آٹھ بجے رات سے بارہ بجے رات تک

ایک نشست کے لئے جگت موہن لال رواں اناوی، دوسری کے لئے جعفر علی خاں اثر اور تیسری کے واسطے ایس۔ ٹی۔ ہالنس انسپکٹر جنرل پولیس آگرہ رینک کا انتخاب ہوا تھا۔ مگر سوئے اتفاق سے اسی زمانے میں ہندوستان جنگ عظیم کا میدان کارزار بن گیا تھا۔ اور اس نے خلاف امید مشاعرے کو ایک حد تک بے نمک کر دیا۔

اثر صاحب نے بعض منصبی فرائض کی مجبوریوں کی بنا پر مندرجہ ذیل کے مطابق معذرت چاہ لی۔

* * *

رائے بریلی

۱۸ اپریل سنہ ۴۳ء

محترمی تسلیم۔ والانامہ کا شکریہ۔ ....

.... مجھے یقین نہیں کہ باہر جانے کی اجازت ملے۔ ....

.... فضا مکدر ہے۔ ایسی صورت میں شرکت کا حتمی وعدہ کرنا ممکن نہیں گو آپ کے اخلاق و اوصاف حمیدہ نے اس قدر گرویدہ کر لیا ہے کہ بے اختیار دل چاہتا ہے کہ حاضر ہو کر آپ کی زیارت سے مشرف ہوں ؎

یہ مانا دل کے پردوں سے تری آواز آتی ہے
کوئی تسکین دے کیونکر نگاہ جلوہ سودا کو

ارکان مشاعرہ کمیٹی کا میری طرف سے شکریہ ادا کر دیجئے۔ کہ مجھے ایک نشست کا صدر مقرر کر کے میری عزت بڑھائی۔

خدا آپ کو تا دیر زندہ و سلامت رکھے آمین۔

خاکسار اثر

رواں صاحب اناوی اپنی صاحبزادی کی ناگہانی علالت کے باعث تشریف نہ لا سکے اور ذیل کا خط ارسال کر کے مجبوری ظاہر کی۔

۲۲ اپریل سنہ ۴۳ء

محبی تسلیم۔ میں نے آپ سے قریب قریب وعدہ کر لیا تھا کہ میں مشاعرہ مین پوری میں شریک ہونگا۔ غزل بھی کہی تھی۔ لیکن اب پرسوں سے میری لڑکی کی حالت

بہت خراب ہے۔ پاؤوں میں آماس آگیا ہے جو بہت ہی خراب علامت بتلائی جاتی ہے۔ حکیم صاحب ٹھہرے ہوئے ہیں۔ کسی طرح یہاں سے غیر حاضر ہونا مصلحت نہیں ہے۔ امید کہ آپ معاف فرمادیں گے اور جناب اصغر صاحب سے بھی میری مجبوری بیان فرمادینگے۔

نیازمند سائل

مسٹر ہالنس آگرہ سے بقصد شرکت مشاعرہ روانہ ہو چکے تھے شکوہ آباد تک پہونچ کر معذرت کناں واپس آگرہ ہوئے۔

آخر ۲۵ اپریل کی شام آپہونچی اور معزز مہمانوں نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے مین پوری کو معزز و ممتاز کرنا شروع کر دیا۔

۲۶ کو بصدارت سید نثار حیدر صاحب زیدی سابق روح رواں مشاعرہ و ڈپٹی کلکٹر مین پوری و حال متعینہ فرخ آباد افتتاح مشاعرہ ہوا۔ سب سے پہلے اس نیازمند نے منظوم سپاسنامہ خیر مقدم پیش کیا۔ اس کے بعد جناب پنڈت ستندر نرائن بشتران ایم۔ آر۔ اے۔ ایس (لندن) رئیس فرخ آباد نے ایک پر مغز و پر معلومات تقریر کرتے ہوئے مشاعروں، ان کی ادبی نوعیت اور مشرقی ادبیات پر بصیرت افروز روشنی ڈالی۔ پھر معزز شعراء نے اپنے کلام سے حاضرین کو لطف اندوز کیا۔

دوسرا مشاعرہ یادگار غالب حضرت امرناتھ صاحب ساحر دہلوی اور تیسرا مشاعرہ حضرت بزم اکبر آبادی کے زیر صدارت منعقد ہوا۔

ہر نشست بحیثیت سامعین شعراء اور کلام کے ایک بہت ہی کامیاب مجلس تھی۔ اور یہ امر خاص طور پر قابل تحسین و تذکرہ ہے کہ باوجود شائقین و سامعین کی تعداد کی فراوانی کے مجمع مودب، اور پرسکون تھا۔ اور یہ ایک ایسی بات ہے جو اعلیٰ پیمانہ کے بہت ہی کم مشاعروں

[illegible] ہے۔

سب سے پہلے تو میں اپنے ضلع کے معزز کلکٹر خان بہادر محمود علی خاں صاحب کا جن کی تحریک و ترغیب و توجہ نے دراصل مشاعرہ ہذا کو اس بہترین صورت میں انجام تک پہنچایا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔

اس کے بعد ان تمام حضرات شعراء و اساتذہ فن کا جنھوں نے صعوبات سفر برداشت کر کے ہماری عزت افزائی فرمائی۔ علی الخصوص مندرجہ ذیل اصحاب کی خدمت میں مخصوص جذبات تشکر نذر ہیں:

آشفتہ لکھنوی، آفتاب اکبرآبادی، ار جھانسی، احسن مارہروی، امرناتھ ساحر دہلوی، امرناتھ محسن امرتسری، بزم اکبرآبادی، جگر مرادآبادی، ساغر نظامی، سیماب اکبرآبادی، طیش مارہروی، عاشق ڈبائیوی، مانی جائسی۔

اس کے ساتھ ہی میں اپنے تمام معزز مہمانوں سے ان تمام فروگزاشتوں کی جو ان کی مدارات کے درمیان عمل میں آئی ہوں۔ دست بستہ معافی چاہتا ہوں۔ العذر عند کرام الناس مقبول

میں بینی سرن شاد مین پوری (منصف بھوپال)، بہاری چرن صادق مین پوری (سب جج بھوپال) اور سید نثار حیدر صاحب زیدی (مسطو الصدر) کا جداگانہ اور نمایاں طور پر شکر گزار ہوں کہ ان حضرات نے بسلسلہ ملازمت یا تبادلہ باوجود مشاعرہ ہائے مین پوری سے یک گونہ قطع تعلق کے بعد بھی اپنی تشریف آوری و تکلیف فرمائی سے ایک زبردست محبت کا اظہار کیا۔ اس خلوص کی مسرت و امتنان کو کچھ ہمارے قلوب ہی خوب محسوس کرتے ہیں۔ اللہم زد فزد۔

میں ان تمام حضرات کا بھی جنھوں نے قبول دعوت سے معزز فرمایا اور کسی خاص مجبوری

کی وجہ سے تشریف نہ لا سکے۔ علی الخصوص رواں اناوی، اثر لکھنوی، فانی بدایونی اور مسٹر انس کا بیحد متشکر ہوں۔ یار زندہ صحبت باقی۔

مجھے تمام سرپرستان مشاعرہ، حکام پرگنہ جات، افسران پولیس اور جملہ کارکنوں کا بہت ہی پر خلوص شکریہ ادا کرنا چاہئے جن کے پر خلوص اور دلی مساعی نے اس مشاعرے کو اس قدر کامیاب بنایا خصوصیت کے ساتھ

(۱) پانڈے جگدیش پرشاد صاحب حاکم پرگنہ صدر تحصیل
(۲) قاضی مردان علی صاحب تحصیلدار تحصیل حضور
(۳) فرحت علی خاں صاحب پولیس انسپکٹر شہر
(۴) بابو کالیچرن صاحب مختار اور مشاعرہ ہائے مین پوری کے باوا آدم حضرت اصغر مین پوری آنریری اسسٹنٹ کلکٹر مین پوری، تشکر خاص کے مستحق ہیں۔ درحقیقت اگر ان حضرات کی توجہ خاص شامل حال مشاعرہ نہ ہوتی تو مشاعرہ بدیں حسن و خوبی انجام پذیر ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

پنڈت رام سروپ صاحب قانون گو، بابو رگھونندن پرشاد صاحب نائب تحصیلدار رگھناتھ سہ صاحب چوبے سکریٹری میونسپل بورڈ، بابو مہیشر پرشاد صاحب سینیٹری انسپکٹر، اعظم علی خا شیخ فیاض الحسن مرحوم کا میں بیحد متشکر ہوں کہ ان حضرات نے گوناگوں انتظامات میں حد سے زیادہ معاونت فرمائی۔

منتظمین لال سنگھ و مان سنگھ آشرم" اور چیرمین صاحب میونسپل بورڈ مین پوری کا میں بیحد ممنون ہوں۔ اول الذکر حضرات نے آشرم کی عمارت انعقاد مجالس مشاعرہ اور موخرالذکر نے بنگلہ بنا بر قیام شعراء عنایت فرما کر اپنی ادبی سرپرستی کا ثبوت دیا تھا۔

مجھے ابھی دو خاص شکریے اور ادا کرنے ہیں۔

اول خان بہادر زین الدین صاحب سابق کلکٹر جونپوری (حال خزانچی مسلم یونیورسٹی علی گڈھ)، کا جنھوں نے اپنے دست ادب نواز سے موجودہ صورت میں مشاعرہ ہائے جونپوری کی بنیاد ڈالی۔ اور اپنے عہد میں ہر مشاعرہ عدیم المثال طور پر منعقد فرما گئے۔ کہ باوجود ناسازی طبع ہم لوگوں کے اصرار پر علی گڈھ سے جونپوری تشریف لائے۔ اور حسب دستور قدیم تمام شب شریک مشاعرہ رہ کر حوصلہ و عزت افزائی فرماتے رہے۔

دوم مسٹر بوطلم سپرنٹنڈنٹ پولیس جونپوری کا، گو ممدوح کو فطرتاً ادبیات اردو سے کوئی خاص لگاؤ نہیں۔ مگر محض رواداری اور معاصرین کے ہم رنگ بن جانے کی اہلیت کے حامل ہونے کے باعث شب کی دونوں نشستوں میں نصف شب تک خندہ پیشانی کے ساتھ شریک صحبت رہے۔

میں ان تمام حضرات سے جنھیں میں نے اسم وار ادائے رسم تشکر میں فروگزاشت کر دیا ہو معافی چاہتا ہوں۔ موصوفین اس اہمال کو میرے سہو پر محمول فرمائیں۔ نہ دانستہ جرأت بے موقع پر۔

اب مجھے نفس مشاعرہ کے متعلق صرف اتنا عرض کرنا ہے۔ مشاعرہ اپنی نوعیت میں خوب ترین تھا۔ کلام کے متعلق مجھ جیسے بدمذاق کا اپنی رائے پیش کرنا کار عبث ہوگا اس لئے اس امر کو نکتہ دانوں کے ذمہ چھوڑتے ہوئے غزلیات مشاعرہ کو ہدیۂ شائقین ادب کرتا ہوں۔

ترتیب غزلیات مشاعرہ میں ایک جدت ضرور برتی جا رہی ہے۔ اور وہ یہ کہ سخن کے ساتھ سخنوروں کے مختصر حالات بھی پیشکش ہیں۔ دراصل یہ خیال جونپوری گورنمنٹ ہائی

اسکول مدرسہ السنہ مشرقیہ مولانا "کشتہ" قادری کی تحریک پر پیدا ہوا۔ میرا ابتدائی منشا [illegible] خیال تھا کہ ہر غزل شعراء کی تصاویر کے ساتھ پیش کی جائے۔ مولانائے موصوف سے تبادلۂ خیال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ تصاویر سے صرف قیافہ شناس حضرات ہی کچھ شاعر کی شخصیت کے متعلق اندازہ لگا سکیں تو لگا سکیں۔ بہر حال ادبی دنیا کو کوئی فائدہ نہ پہونچے گا۔ اگر آپ حالات فراہم کرکے غزلوں کے ساتھ شایع کردیں اور ملک اس طرز کو پسند کرے تو آیندہ ایک مستقل تذکرہ نگاریِ شعراء کی بنیاد پڑ جائے گی" بادی النظر میں مولانا کی یہ رائے ایک عجیب سی تھی۔ تاہم یہ فیصلہ کرلیا گیا کہ اس پر عمل کیا جائے اور اخبارات کے علاوہ فرداً فرداً خطوط کے ذریعہ سے حضرات شعرائے شرکائے مشاعرہ سے ترسیل حالات کے متعلق عرض کیا گیا۔ میں نے دیکھا کہ بہت سے ادب نواز ہستیوں نے اس طرزِ خاص کا خیر مقدم کیا چنانچہ جدت طراز و جدت پسندانِ ادبِ اردو کے فردِ نمایاں "ساغر نظامی" سابق مدیر مستقبل و حال رکنِ ادارت "پیمانہ" اپنے عنایت نامہ ۱۰ جون ۳۳ء میں رقمطراز ہیں۔

"مشاعرہ کی اشاعت جس نوعیت سے آپ فرمارہے
ہیں وہ ایک "اقدام" ہے "کامیاب"۔ اور میں
آپ کے اس کامیاب اقدام کو بہت مفید و
مناسب خیال کرتا ہوں۔ اس طرح آپ رسمی
طور پر غزلوں کو شایع کرنے کے ساتھ ساتھ مجموعہ
کو ایک تذکرہ کی حیثیت بھی دیدیں گے جو اپنی جگہ
ایک مستقل خدمت ہے"

مگر افسوس ہے کہ بہت سے حضرات نے باوجود مسلسل یاددہانیوں اور درخواستوں کے

[illegible] ۔ حضرت جواب خط سے بھی شادہ فرمایا جس کی بنا پر بہت سی غزلیں اس کیفیت [illegible] سے نا[illegible] ہو گئیں ۔ اور مجموعہ ہذا کی ترتیب و اشاعت میں بھی ناقابل تلافی تاخیر ہو گئی۔ اور پھر بھی "باقیات" کا ایک باب اور کھولنا پڑا۔

مجموعہ ہذا "مآثر الشعراء" کے نام سے موسوم تین حصوں

(۱) خیالستان

(۲) ظرافتستان

(۳) باقیات

اور حصہ اول "ادب لطیف" حصہ دویم "ادب ظریف" اور حصہ سوم باقیات پر مشتمل ہے حصص اپنی اپنی جگہ پر لغات کے طرز پر حروف تہجی کی پابندی سے ترتیب دیے گئے غزلیات میں کوئی انتخاب نہیں کیا گیا ہے بجنسہٖ درج کر دی گئی ہیں۔ البتہ پندرہ اشعار سے زائد والی غزلیات سے تعداد مقررہ کے علاوہ مقطع کے اوپر والے اشعار کو نکال دیا گیا ہے اور یہ بھی بہت ہی کم ہوا ہے۔

میں یہ عرض کرنا بھول گیا کہ ۲۸ اپریل کو ہندی "کبت سمیلن" کا اجلاس بصدارت پنڈت جگن ناتھ صاحب اوکرا ڈپٹی کلکٹر مین پوری منعقد ہوا تھا۔

میرے خیال میں اب بجز سمع خراشی کی معافی کے اور کچھ باقی نہیں رہا۔ لہذا رخصت

پھر ملیں گے اگر خدا لایا

نصیر علوی۔ ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی منصف

مین پوری ۲۰ جنوری [illegible]ء

ہدیۂ اخلاص

معزز شعرائے کرام! ہم آپ کے شایانِ شان خاطر و مدارات کی خوشگوار خدمت سے کسی طرح عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ موسم کی سختی دور و دراز مقامات سے سفر کی تکالیف یہ سب آپ حضرات کا کرم اور احسان ہے۔ سرزمین مین پوری عرصہ تک آپ حضرات کے فیض قدوم سے مالامال رہے گی۔ اور ہم منتظمین مشاعرہ ممنون و مشکور

نیاز کیش۔ سید نصیر الدین صفوی (مصنف) مین پوری۔ ۲۶ اپریل ۱۹۴۳ء [illegible]

* * *

فیض فطرت سے عجب فرحت کا ساماں ہو گیا چپہ چپہ باغ کا شمع فروزاں ہو گیا
کھل گئے غنچے چمن کا حسن عریاں ہو گیا فصل گل آئی عروس گلستاں ہو گیا

جھک کے ساقی نے دیا وہ جام صہبائے طرب
اہل بینش کو نظر آیا تماشائے طرب

اب فضا بدلی ہوئی ہے اب کہاں غم کوشیاں خم پہ خم چلنے لگے ہونے لگیں مے نوشیاں
بیخودی میں پھر کہاں ممکن تھیں پردہ پوشیاں حسن کی آنکھوں نے دیکھیں عشق کی مدہوشیاں

خاک گلشن پر ہزاروں حشر برپا ہو گئے
پھول آنکھیں کھول کر محو تماشا ہو گئے

آفریں اے خوبی گلدستۂ جان چمن حبذا اے اجتماع خوشنوایان چمن
مژدہ باد اے بر لطافت بزم رندان چمن مرحبا صد مرحبا اے نغمہ سنجان چمن

جذبۂ اخلاص کو سب روحِ نورانی کریں
جی میں آتا ہے کہ خونِ دل سے مہمانی کریں

یہ تمامی مجمعِ احباب ہے کانِ ادب ایک ہے روحِ ادب تو دوسرا جانِ ادب
یہ جو بیٹھے ہیں یہی ہیں عزت و شانِ ادب زندگی ان کی ہے استحکامِ ایوانِ ادب
ان کے ہی نغموں سے ہے اندازِ مستی کا وجود
ان کے ہی دم سے ہے سوز و سازِ مستی کا وجود

ان کی ہر اک لغزشِ پا میکدہ بر دوش ہے ان کی بہکی بہکی نظروں میں کوئی روپوش ہے
ان کی صورت سے نمایاں جوشِ نوشا نوش ہے ان کی ہر اک جنبشِ لب نغمہ پرجوش ہے
زندگی کے واسطے مستی بھرا دل لائے ہیں
یہ ازل ہی سے مئے پرجوش پی کر آئے ہیں

یہ نوازش یہ عنایت اور یہ لطف و کرم آئیں اس ویرانہ کدہ میں ایسے ایسوں کے قدم
چھا گئی سب پر مسرت مٹ گئے رنج و الم آج اپنا شہر بھی ہے خطۂ باغِ ارم
اب غمِ فردا ہی باقی ہے نہ فکرِ دوش ہے
رند بیٹھے ہیں لبِ تسنیم نوشا نوش ہے

ہدیہ اخلاص ہے دنیائے الفت کا اصول پُر خلوص الفاظ کو احباب فرمائیں قبول
بے تکلف میہمانوں سے تکلف ہی فضول خیر مقدم کو قصیدہ اسد کیوں دیتے ہو طول
دوستوں سے عرض کر دو اب غزل خوانی رہے
گلشنِ شعر و سخن میں گوہر افشانی رہے

فہرست

نمبر شمار	نام شاعر	صفحہ
۱	آرزو۔ ڈبائیوی	۳۳
۲	آفتاب۔ اکبرآبادی	۳۳
۳	ابر۔ گنوری	۳۶
۴	اثر	۳۸
۵	احسن۔ غفیسری	۳۵
۶	احمد کالپی	۴۰
۷	احقر اعظم گڑھی	۴۰
۸	اشفاق۔ شیخپوری	۴۱
۹	اصغر۔ مین پوری	۴۲
۱۰	انجم۔ بھرتپوری	۴۵ و ۱۵۴
۱۱	احقر۔ شیرکوٹی	۴۵
۱۲	آشفتہ لکھنوی	۴۸ و ۱۴۳
۱۳	برق۔ کاکوروی	۴۸

نمبر شمار	نام شاعر	صفحہ
۱۴	بسمل ۔ فرخ آبادی	۴۹
۱۵	بصیر ۔ فرخ آبادی	۵۱
۱۶	بیخود ۔ ڈبائیوی	۵۲
۱۷	بیدل ۔ برلھوی	۵۳
۱۸	تاج ۔ میرٹھی	۵۴
۱۹	تائب ۔ فرخ آبادی	۵۵
۲۰	جگر ۔ مرادآبادی	۵۶ و ۱۵۴
۲۱	حامد ۔ اٹاوی	۵۷
۲۲	حفیظ ۔ فرخ آبادی	۵۸
۲۳	درد ۔ مین پوری	۶۰
۲۴	رزاق شیخپوری	۶۱
۲۵	رزم ۔ ردولوی	۶۲
۲۶	رضی ۔ بدایونی	۶۴
۲۷	رعنا ۔ اکبرآبادی	۶۷
۲۸	ریاض ۔ سلاسگنجوی	۶۸
۲۹	ساغر ۔ نظامی	۶۹
۳۰	سحر ۔ بلگرامی	۷۲
۳۱	سوز ۔ میرٹھی	۷۳

نمبر شمار	نام شاعر	صفحہ
۳۲	سعید - مین پوری	۷۴
۳۳	سیماب - اکبرآبادی	۷۵ و ۱۵۸
۳۴	شاد - بھوپالی	۷۶
۳۵	شائق - فرخ آبادی	۷۷
۳۶	شبیر - چھپراموی	۷۹
۳۷	شبیر - فتحگڈھی	۸۱
۳۸	شمیم نظامی - بلبیسری	۸۲
۳۹	شمیم - گوردی	۸۳
۴۰	شیدا - فرخ آبادی	۸۴
۴۱	صبا - اکبرآبادی	۸۳
۴۲	طپش - مارہروی	۸۶
۴۳	ظفر - بدایونی	۸۷
۴۴	ظہیر - مین پوری	۸۸
۴۵	عاجز - عطائی پوری	۹۰
۴۶	عاشق - ڈبائیوی	۹۲
۴۷	عاصی - الہ آبادی	۹۳
۴۸	عاجز - مین پوری	۹۶
۴۹	عزیز - سلطانپوری	۹۷

نمبر شمار	نام شاعر	صفحہ
۵۰	غزنی۔ شیخوپوری	۹۹
۵۱	فرحت شمس آبادی	۱۰۰
۵۲	فخر۔ میرٹھی	۱۰۲
۵۳	فخر۔ اٹاوی	۱۰۲
۵۴	قابل گلاوٹھی	۱۰۳
۵۵	قاسم۔ کربلی	۱۰۶
۵۶	قاضی۔ شکوہ آبادی	۱۰۸
۵۷	قمر۔ مین پوری	۱۰۹
۵۸	قمر۔ بدایونی	۱۱۰
۵۹	کشتہ قادری۔ اکبرآبادی	۱۱۲
۶۰	کلیم	۱۱۶
۶۱	مانی۔ جائسی	۱۱۷
۶۲	مائل۔ مین پوری	۱۱۸
۶۳	محسن امرتسری	۱۲۰
۶۴	محفوظ	۱۲۵
۶	مشتاق۔ مین پوری	۱۲۵
۶۶	معین۔ فرخ آبادی	۱۲۶
۶۷	میکش۔ اکبرآبادی	۱۲۷

نمبر شمار	نام شاعر	صفحہ
۶۸	نادر۔ مین پوروی	۱۲۹
۶۹	ناز۔ مین پوروی	۱۳۰
۷۰	ناشاد۔ مین پوروی	۱۳۱
۷۱	نازک۔ شکوہ آبادی	۱۳۱
۷۲	نذیر خلیلی۔ قائم گنجوی	۱۳۲
۷۳	نشتر۔	۱۳۳
۷۴	نشاط	۱۳۵
۷۵	نصیر مصحفی مین پوروی	۱۳۶
۷۶	نوشاہ۔ مارہروی	۱۳۹
۷۷	نکیلے۔ جونپوری	۱۴۰ و ۱۵۲
۷۸	وفا۔ فرخ آبادی	۱۴۱
۷۹	وقار۔ مین پوروی	۱۴۲
۸۰	ہلال۔ مین پوروی	۱۴۳

ظرافستان

نمبر شمار	نام شاعر	صفحہ
۸۱	اظہر۔ مین پوروی	۱۴۶
۸۲	بوم۔ ہاپوڑی	۱۴۶
۸۳	پوچ۔ مین پوروی	۱۴۷

نمبر شمار	نام شاعر	صفحہ
۸۴	چندالشعراء فرخ آبادی	۱۴۸
۸۵	غنچہ ۔ مین پوری	۱۵۱
	باقیات	
۸۶	دور ۔ کانپوری	۱۵۷

شکریہ و شکایت

مآثر الشعرا کی تکمیل کیساتھ یہ میرا خوشگوار فرض ہو کہ میں جناب مولوی عبداللطیف خاں صاحب کشتہ قادری ہیڈ مولوی گورنمنٹ ہائی اسکول مین پوری اور حفیظ الرحمٰن خاں تپشی (ایڈیٹر حبیب فرخ آباد) کا پروف ملانے اور اس کام میں دیگر سہولتیں بہم پہونچانے کے لئے شکریہ ادا کروں ۔ منشی محمد فیاض علی خاں صاحب کاتب بھی اس خدمت کے لئے مستحق شکریہ ہیں جنھوں نے ڈیڑھ ماہ تک میرے یہاں مقیم رہ کر مآثر الشعرار کو بطریق احسن مکمل کیا ۔

میں اپنے ان تمام احباب اور ادب دوست حضرات کا بھی مشکور ہوں جنھوں نے کہ اس کام میں کسی نہ کسی طرح میری امداد فرمائی ۔ اوسی کیساتھ مجھے اپنے ان تغافل شعار احباب سے شکایت ہے جنھوں نے باوجود متواتر یاددہانیوں کے غزلیات یا حالات اس وقت تک ارسال نہ فرمائے ۔ اور چونکہ اب دوسرے مشاعرہ کا زمانہ بالکل قریب ہے اس لئے زیادہ انتظار ناممکن تھا ۔ اس سلسلہ میں محترمی حضرت احسن مارہروی اور بابو بہاری چرن صاحب صادق سے خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔

نوٹ

بعض حضرات کی غزلیات موجود تھیں اور بحالات خیالستان
کی تکمیل کے بعد موصول ہوئے جو بسلسلۂ باقیات
درج کردئے گئے ہیں۔

۱۔ آرزو۔ ڈبائیوی (افتتاح الرحمن۔ احسنی)

دینے والے نے دیا رو نا ازل وہ دل مجھے
زندگی جس کی بدولت ہو گئی مشکل مجھے

بھیجتا ہے یہ پیامِ دلبری قاتل مجھے
چاہیئے ظلم و ستم کے واسطے قابل مجھے

زندگی کا لطف کچھ ہوتا نہیں حاصل مجھے
اپنے دامن میں چھپا لے خنجرِ قاتل مجھے

تجھ پہ کھل جائے حقیقت سب نیازِ شوق کی
اپنی بزمِ ناز میں کر لے اگر شامل مجھے

کچھ خبر بھی ہے کہ میرے دل پہ بجلی گر پڑی
دیکھنے والے کنکھیوں سے سرِ محفل مجھے

دیکھئے قسمت کے چکر سے ملے کب تک نجات
سینکڑوں منزل نظر آتا نہیں ساحل مجھے

پھر سرِ محفل گرائیں بجلیوں پر بجلیاں
پھر ترے تیرِ نظر نے کر دیا بسمل مجھے

ہو گیا روئے منور پر فدا پروانہ وار
حسن نے اپنی طرف خود کر لیا مائل مجھے

پھر ہتھیلی پہ لئے پھرتا ہوں اپنی جانِ زار
پھر نظر آنے لگا خنجر بکف قاتل مجھے

میں اور اپنی زندگی برباد کر دیتا غلط
تیرا اندازِ تغافل کر گیا بیدل مجھے

پردہ داری بھی رہے اور لطفِ میخواری بھی ہو
ہاں پلا دے آنکھوں آنکھوں میں سرِ محفل مجھے

ہو خیالِ یار میں خلوت نشینی تا کجے
لے نگاہِ شوق اب لے چل سرِ محفل مجھے

دوڑتا پھرتا ہے مجنوں دشت میں کہتا ہوا
ہر بگولے میں نظر آتا ہے اک محمل مجھے

ان کے آتے ہی شکایت مٹ گئی سب آرزو
ہو گئی آسان وہ منزل جو تھی مشکل مجھے

۲۔ آفتاب۔ اکبرآبادی

(سید ولایت حسین نام۔ آفتاب تخلص۔ سید محمد تقی حسین کے صاحبزادے۔ متوطن

اکبر آباد میں۔ آپ کا سلسلۂ نسب سادات کچھوچھہ سے ملتا ہے جو ایکجدی و رضوی ہیں۔ چونکہ اس خاندان نے حضرت مخدوم سید سلطان اشرف جہانگیر جہانیاں جہاں گشت رح سے بسلسلۂ بیعت خطاب "اشرفی" حاصل کیا تھا۔ لہذا آپ کے آبا و اجداد "اشرفی و رضوی" بطور لقب اپنے اسماء کے ساتھ شامل کرتے رہے۔ آپ خود کو صرف "رضوی" لکھتے ہیں۔

آفتاب صاحب ۷ سنہ یا ۵ ھ میں بمقام آگرہ پیدا ہوئے۔ وہیں دس سال کی عمر تک ابتدائی تعلیم رسمیہ عربی و فارسی کی تحصیل کی پھر اپنے والد صاحب کے ساتھ مرحوم کے مرکز تجارت "جھانسی" کو چلے گئے اور وہاں مدرسہ میں نویں درجہ تک انگریزی اور خارجاً فارسی کی تعلیم پائی ساتھ ہی اصول و فن تجارت سے واقفیت بہم پہونچاتے رہے۔ چونکہ آپ کے والد ماجد جھانسی کے عالی پایہ تاجر کتب تھے۔ آپ نے بھی کتب فروشی ہی کو ذریعہ معاش بنایا اور اسی پر آجتک قائم جھانسی میں اپنے پدر بزرگوار کے جانشین ہیں۔ ایک با وضع، خوش اخلاق صابر و شاکر، خوش باش مرنجاں و مرنج اور نمود و نمائش سے گریزاں بزرگ ہیں۔ سرزمین سنگلاخ جھانسی میں جن حضرات کے دم سے شمع شعر و سخن باد صرصر حوادث سے محفوظ ہے ان میں نمایاں رتبہ رکھتے ہیں۔

آپ نے مذاق شعر و سخن وراثتاً اپنے آبا و اجداد سے ترکہ میں پایا ہے۔ تلمیذ الرحمٰن ہیں کسی کے سامنے زانوئے شاگردی تہ نہیں کیا۔ انصاف پسندی و زور طبع اور کتب بینی نے استادی کے رتبہ تک پہونچایا ہے۔ رنگ جدید و قدیم پر تصرف ہے اور اصناف سخن پر قادر ہیں۔ مگر غزل و قصیدے سے عام طور پر دلچسپی کم

لکھتے ہیں۔ قصائد بھی آپ کے حضرت اہل بیت اطہار کی مدح و ثنا تک محدود ہیں۔ آپ کی ادبیت و علمیت الذاتی کا شاہد صادق رسالہ "فانوس" جھانسی ہے۔ جس کی از ابتداء تا انتہا آپ ادارت فرماتے رہیں۔ آپ کی ہمہ گیر قابلیت نے اس رسالہ کو بھی اپنے رنگ طبیعت یعنی اعتدال پسندی میں رنگتے ہوئے اسے اس کے ہمعصر رسائل کی صف میں ایک نمایاں جگہ پر ممتاز رکھنے کے دوش بدوش ہندو مسلم اتحاد و رواداری کا بھی ایک دلفریب سنگم بنائے رکھا۔

آپ کی تاریخ ادب اردو کی وسعت معلومات کا اندازہ "فانوس" کے ابتدائی مقالہ افتتاحیہ سے ہوتا ہے جس میں آپ نے نشو و نما و ارتقائے اردو پر بے مثل تبصرہ کیا ہے۔ (دیکھو فانوس کا نمبر اولین بابت جنوری ۱۹۲۴ء)

غزل

مضطرب موجوں نے پھینکا سر ساحل مجھے
اب کدھر لیجائے دیکھوں جذبِ منزل مجھے
چین لینے دے کوئی دم اضطرابِ دل تجھے
کھینچ لائی ہے لحد میں راحتِ منزل مجھے
جب کوئی غنچہ چٹکتا ہے کسی گلزار میں
صاف آجاتی ہے آوازِ شکستِ دل مجھے
جمع ہو لینے تو دو اسباب شرحِ آرزو
پھر کہو برہم زنِ ہنگامۂ محفل مجھے
یہ کہاں بزمِ غرور و ناز یہ فردوس ہے
کس طرف لے آئی ظالم سعیِ لاحاصل مجھے
مضطرب موجیں بہا کر لے چلیں میت مری
کیا قیامت تک کو چھوڑا تو نے اے ساحل مجھے
میری خاکِ قبر بھی مجنوں کی میر کارواں
جانتا ہے اک جہاں آوارۂ منزل مجھے
بیٹھتے اٹھتے کیا طے جادۂ ملکِ فنا
ہر نفس تھا باعثِ نزدیکیِ منزل مجھے

نا اُمیدی میں کہاں آہیں کہاں بیتابیاں ہے قضا ساکن کہ حاصل ہو سکونِ دل مجھے
نزع کا عالم ہے مٹتی ہے امیدِ زندگی کر رہی ہے موت تیری یاد سے غافل مجھے
کار فرما جذبۂ جوشِ جنوں ہے آفتاب کچھ بنا دیگی یہ میری سعیِ لاحاصل مجھے

۳ - ابر - گنوری

جمیل بخش نام الٰہی بخش کے صاحبزادے، متوطن گنور بدایوں ہیں۔ آپ کے جدِ امجد شیخ امام بخش بہاسو ضلع بلند شہر کی ممتاز ہستیوں میں سے تھے۔ ان کی شادی گنور میں ہوئی تھی۔ خاندانی تنازعات کے باعث آپ کے والد ماجد نے گنور ہی میں طرحِ اقامت و رہائش ڈال دی وہیں ۲ مئی ۱۸۹۷ء کو ابر صاحب پیدا ہوئے

آپ نے ابتدائی تعلیم کسی مولوی صاحب سے خانگی طور پر پائی اور اس کے بعد مڈل اسکول میں بھرتی کرا دیئے گئے۔ جہاں ۱۹۱۶ء میں آپ نے اردو مڈل پاس کیا۔ امتحان سے فراغ پانے کے بعد صنعت آموزی کا شوق آپ کو کانپور لے گیا وہاں آپ نے جوتہ کا کام سیکھا۔ اور وطن کو واپس آکر جوتہ کا کارخانہ جاری کیا۔ جو ایک سال کے بعد فیل ہو گیا۔ بالآخر ڈسٹرکٹ بورڈ کے مدرسہ کی مدرسی اختیار کر لی۔ اور پیشہ کے ماحول پر نظر ڈالتے ہوئے ۱۹۲۲ء میں ٹریننگ ۲۴ء میں امتحان ایڈوانسڈ ان اردو، ۲۷ء میں منشی اور ۲۸ء میں کامل پاس کیا۔ تاحال مدرسہ مذکورہ بالا میں باحسن وجوہ فرائض مدرسی انجام دے رہے ہیں۔

مادۂ شاعری آپ کی فطرت میں موجود تھا۔ ۸۔ ۹ سال کی عمر سے نعت خوانی

کے شوق نے طبیعت میں موزونی پیدا کردی تھی اور اسی عمر میں گاہے ماہے نعتیہ اشعار جو بحر و بندش قافیہ سے آزاد مگر موزونیت کے پابند ہوتے تھے تصنیف کرلیا کرتے تھے۔ اردو مڈل کی تعلیم نے تھوڑا بہت واقف فن بھی کردیا تھا۔ مگر ابھی تک باقاعدہ شاعر نہ تھے۔ یہ کمی قیام کانپور کے دوران میں پوری ہوئی۔ تقریب یہ کہ جس کارخانہ میں موصوف کام سیکھتے تھے اس کے منیجر حضرت سحا شاہجہاں پوری تھے۔ آپ ان کیساتھ اکثر مشاعروں میں شریک ہوتے تھے۔ ایک روز کوئی صاحب ممدوح سے اصلاح لینے کے لئے آئے اور سوال بروزن شعر نہ بتا سکے۔ آپ نے اجازت لے کر بتادیا اور سحا صاحب کی مربیانہ نظریں حاصل کرکے رفتہ رفتہ ترقی کرنا شروع کردی۔ اس معاملہ پر کہ اسی کارخانہ میں کام سیکھیں اور کانپور ہی میں قیام پذیر رہیں شعرا کی سنت دیرینہ پوری ہوئی یعنی استاد شاگرد میں اختلافات شروع ہوگیا جس کا انجام یہ ہوا کہ باوجود آپ کے بار اصرار کے بھی سحا صاحب نے اصلاح دینی بند کردی۔ آخر کار آپ نے حضرت احسن مارہروی کی جانب رجوع کیا اور موصوف کے سلسلہ تلامذہ میں منسلک ہوگئے۔

غزل

دیکھکر آوارہ گردی میں پریشاں دل مجھے — اپنے پاس آنے نہیں دیتی مری منزل مجھے
پھر کرے مجبور شاید ناوکِ قاتل مجھے — [illegible]
دیدیا ہمت نے ساحل کے قریب آکر جواب — یاس سے ساحل کو میں تکتا رہا ساحل مجھے

ہوش بے فرصت ہو گئے پہونچا کر ان کی بزم میں
قافلے نے کھو دیا لا کر سرِ منزل مجھے
مدتوں شوقِ شہادت کو یہاں دھوکے دیئے
بر ملامت ہے تو اب کوئی ملا قاتل مجھے
کیا یہی ہے آخری منزل فنا فی العشق کی
اب تو ہر پیکاں پہ ہوتا ہے گمانِ دل مجھے
ہائے وہ دن جب لئے پھرتا تھا سر پر آسماں
اب تو کروٹ کا بدلنا بھی ہوا مشکل مجھے
پا لیا دل ہی میں انھیں دشت و بیاباں چھان کر
ل گئی زیرِ قدم آخری منزل مجھے
خیر ہو شوقِ شہادت کی الٰہی خیر ہو
ک رہا ہے کیوں نگاہِ یاس سے قاتل مجھے
اپنی بربادی کا باعث کیا بتاؤں ہمنشیں
ل گیا تھا ایک سرکارِ ازل سے دل مجھے
رکھ سکو گے تم مری دیوانگی کی لاج بھی
اپنا دیوانہ تو کہتے ہو سرِ محفل مجھے
ڈالنی ہے آنکھ میں بنیاد اک فردوس کی
جذب کرتی ہے نگاہوں میں تری محفل مجھے
تیغ لے کر آپ نکلے تھے یہ کس انداز سے
آج تک ہر چیز آتی ہے نظر قاتل مجھے
آیر قسامِ ازل نے کیا خبر کیا سوچ کر
یاس و حرماں کا بنا کر دیدیا اک دل مجھے

۴۔ آثر

عشق میں حاصل ہوا تو یہ ہوا حاصل مجھے
زندگی تو زندگی ہے موت بھی مشکل مجھے
اک نگاہِ ناز سے جب کر چکا بسمل مجھے
یاس کی نظروں سے پھر دیکھا کیا قاتل مجھے
آپ کا ملنا اگر دشوار ہے دشوار ہو
جان دینا تو نہیں ہے ہجر میں مشکل مجھے
میں تو کہتا ہی نہ نقصان سے تمنائے دلی
تو نے شرمندہ کیا ہے آرزوئے دل مجھے
اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کسی کی بیکسی
تک رہا ہوں دور سے ساحل کو میں ساحل مجھے
ناخدا ہے اور نہ کشتی کا پتہ ہے کچھ مگر
ڈوبنے دیتی نہیں ہے حسرتِ ساحل مجھے

تار ٹوٹا ہے کسی کے کیا یہ سازِ حسن کا
یا صدا آتی ہے کانوں میں شکستِ دل سے مجھے
اللہ اللہ قتل کرنے میں بھی کیا انداز ہے
دیکھتا ہے کنکھیوں سے مار کر قاتل مجھے
میری نظروں سے بھلا جاؤ گے بچ کر تم کہاں
جس میں تم مسکن گزیں ہو وہ ملا ہے دل مجھے
انقلاب اللہ اکبر اور ایسا انقلاب
دل کو میں روتا تھا لیکن رو رہا ہے دل مجھے
جس جگہ سے کل اُٹھے تھے زخمِ دل کھا کر اُٹھو
پھر وہیں کھینچے لئے جاتا ہے ظالم دل مجھے

۵- احسن جلیسری

محمد احسن نام سادات جلیسر ض ایٹہ سے ہیں۔ پانی پت میں علوم و فنون عربیہ کی تعلیم پا کر مولوی راغب اللہ مرحوم و مغفور سے سندِ فضیلت حاصل کی ہے۔ ایٹہ میں طبابت کرتے ہیں۔ اور اپنے فن کے ماہرین میں سے ہیں۔

غزل

تیرے احسان و کرم نے کر دیا بسمل مجھے
ہر ادا سے دلنوازی ہو گئی قاتل مجھے
تو شبِ وعدہ نہ آنا تھا نہ آیا اے صنم
کیوں شبِ فرقت نہ ہو دشوار اے قاتل مجھے
تم نے ہاتھوں میں لگایا خونِ دل مثلِ حنا
پھر لگا حیلہ نہ آنے کا سرِ محفل مجھے
رازِ دشمن سے کیا آگاہ کیوں مجھ کو صنم
کیا نہیں تم جانتے نا اہل سمجھے عاقل مجھے
کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتے ہیں یہ جرم و گناہ
تیری بخشش نے کیا ہر فعل سے غافل مجھے
تو رہا غیروں کے پہلو میں شبِ وعدہ مگر
تیری آنکھوں سے ہوا افشائے رازِ دل مجھے
اس کی رحمت کے بھروسے پر کئے جرم و گناہ
ورنہ جاتا بخششِ داور تھا بہت مشکل مجھے

بے غرض ہے کہ یا احسن ہمیں وہ آکر بسے ۔۔ ہے خدا کا شکر ہر دم یوں ہی پایا تھا دل مجھے

۶ ۔ احمدی ۔ کیالیوی

خود میں گم ہو کر نظر آنے لگی منزل مجھے ۔۔ غرق ہونا تھا کہ دکھلائی دیا ساحل مجھے
گلشن وحدت سے تھا میں بوئے گل لیکر اڑا ۔۔ غیرت گل نے کیا محبوس آب و گل مجھے
گر نہ ہو کوئی اشارہ چھیڑ کچھ جب تک نہ ہو ۔۔ کیوں گریباں کھینچ کر لیجائے جذب دل مجھے
ہے مجھے صحرا نوردی میں خود اپنی جستجو ۔۔ گرد ہستی میں نظر آتی ہے اک محمل مجھے
ہو رہا ہے ذرے ذرے میں ظہور آفتاب ۔۔ پردہ چشم توہم نے کیا غافل مجھے
تربیت و بے کرم نے اک ستم برپا کیا ۔۔ وہ عنایت کی نگاہیں کر گئیں بسمل مجھے
کھینچ کھینچ کام اپنا کر گئی تیغ ادا ۔۔ یعنی بسمل کر گیا خمیازہ قاتل مجھے
موج جذب جنسیت دکھلا گئی اپنا اثر ۔۔ ٹوٹ کر دریا نظر آیا حباب دل مجھے
ہیں تمنائیں مشیت کے حوالے کر چکا ۔۔ چھیڑتی ہے کس لئے اب آرزوئے دل مجھے
یادگار درد الفت داغدار سوز عشق ۔۔ ناز بردار تمنا دیدیا اک دل مجھے
بار ہستی کب اٹھا سکتا تھا مجھ سا ناتواں ۔۔ اٹھ گیا دنیا سے آساں ہو گئی مشکل مجھے
ہیں مکاں اجڑی ہوئی ہستی میں کچھ آبادیاں ۔۔ کنج خلوت میں نظر آتی ہے اک محفل مجھے
نام ان کا کس زباں سے لوں جنھوں نے احمدی ۔۔ نام لیواؤں میں اپنے کر لیا شامل مجھے

۷ ۔ اختر ۔ اعظم گڈھی

دیکھئے کس وقت آیا ہے وہ سنگیں دل مجھے ۔۔ جب مرے احباب کر بیٹھے سپرد گل مجھے

جب نہ دیکھا رخ میں گفتار کے قابل مجھے — دیکھنے والا ہوا غش دیکھ کر غافل مجھے
آفریں اے رعبِ حسنِ یار کیا کہنا ترا — آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی ہو گیا مشکل مجھے
میاں سے تلوار فوراً کھینچ لی اس شوخ نے — مجھ سے یہ کہکر کہ تو نے کیوں کہا قاتل مجھے
کس طرح طے ہونگی پھر راہِ عدم کی منزلیں — جبکہ مر مر کر ملی ہے پہلی ہی منزل مجھے
وصل کی شب تھی کہ دھوکا تھا بتاؤں کیا تجھے — اک نظر آیا ترے رخسار کا سا تل مجھے
حسرتیں شوقِ شہادت کی نکل جانے بھی دے — کچھ تڑپنے دے تہِ خنجر مرے قاتل مجھے
میں تو مجنوں تھا مری لیلیٰ بھی مجنوں ہو گئی — مجھ میں آکر چھپ گئی ہے جان کر محمل مجھے
کیا خبر تھی دوست بنجائیں گے دشمن بعدِ مرگ — اپنے ہاتھوں سے وہی دابیں گے زیرِ گل مجھے
دل دیا بہرِ جفا جب دیے رالے نے انہیں — صبر کرنے کے لئے پتھر کی دی اک سِل مجھے
آپ ہی سے کہہ رہا ہوں جان کچھ سنتے بھی ہو — دل لگی اب ہو چکی دیدیجے میرا دل مجھے
ٹکڑے کر ڈالے قمر کے یار نے یہ کہتے ہی — کیوں تری آنکھوں سے تکتا تھا مہِ کامل مجھے
آج میخانے میں کل کعبے میں پرسوں دیر میں — ہر کہیں اے خضر لے پھرتا ہے میرا دل مجھے

۸۔ اخلاق۔ (اخلاق حسین شیخپور ضلع فرخ آباد)

عشق کے غم نے نہیں رکھا کسی قابل مجھے — درد پہلو سے زیادہ ہو گیا ہے دل مجھے
کر دیا جب قتل مقتل میں مرے قاتل مجھے — لطف اپنی زندگی کا ہو گیا حاصل مجھے
قتل ہی کر دے ستمگر یا کرے بسمل مجھے — ہر طرح رکھنا ہے پاسِ خاطرِ قاتل مجھے
کس کی محفل چھوٹتے ہی بڑھ گئیں بیزاریاں — جانبِ صحرا لئے جاتا ہے میرا دل مجھے
ہمنوا گم گشتۂ راہِ وفا ہوں کچھ نہ پوچھ — دور سے آنکھیں دکھاتی ہے مری منزل مجھے

گردشِ دورِ فلک کی کچھ شکایت ہو مقدور　　روزِ محشر کچھ نہیں ہے شکوۂ قاتل مجھے
خوش ہوا ہوں دیکھ کر نورِ وفا کا آبلہ　　بعد مدت کے نظر آیا جو میرا دل مجھے
مار ہی ڈالا فریبِ وعدۂ دیدار نے　　وقتِ آخر توڑنا دم ہو گیا مشکل مجھے
تشنۂ شوقِ شہادت ہوں بڑا ہی جوشِ خون　　دیکھتا ہوں جس کو آتا ہے نظر قاتل مجھے
داستانِ عشق منحصر صرف دو لفظوں میں ہے　　جس کو میں آساں سمجھتا تھا ہوا مشکل مجھے
وہ تمنا مٹ گئی وہ آرزوئیں مٹ گئیں　　دل اگر اب مل بھی جائیگا تو کیا حاصل مجھے
ہر در و دیوار سے آئی صدائے مرحبا　　جوشِ وحشت نے کیا زنداں میں جب داخل مجھے
ہوں مریضِ دردِ الفت کیوں ہو مجنوں دوا　　ہے فقط کافی ہوائے دامنِ قاتل مجھے
میری کشتی کو خدا پر چھوڑ دے اے ناخدا　　میں جہاں ڈوبا وہیں ہو جائیگا ساحل مجھے
دل کی ویرانی سے دنیا ہو گئی ویراں تمام　　اب تو سونی ہی نظر آتی ہے ہر محفل مجھے
میں بھی آمادہ ہوں اب اس سمت جانیکے لئے　　جسطرف لیجائے اے اخلاق میرا دل مجھے

۹۔ اصغر مین پوری

شیخ اصغر حسین نام، فدا حسین کے صاحبزادے آپ اہالیان لکھنؤ سے ہیں۔ آپ کے دادا صاحب نے ترک وطن کرکے مین پوری میں طرح اقامت ڈالی۔ اور پھر یہ خاندان یہیں کا ہو رہا۔

اصغر صاحب ۱۸۹۱ء میں مین پوری میں پیدا ہوئے۔ عربی فارسی کی ابتدائی تعلیم گھر پر پائی۔ پھر تحصیلی مڈل اسکول میں تعلیم پاتے رہے اور اے۔ پی مشن اسکول سے انٹرنس پاس کرکے امتحان مختاری میں کامیابی حاصل کی۔ اور

آبائی پیشہ وکالت کو اختیار کر لیا۔ ایک بیحد خلیق اور متواضع بزرگ ہیں۔ آپ کے دسترخوان کی وسعت مین پوری میں ضرب المثل ہے۔ آپ کی لیاقت قانونی کے باعث حکومت نے آپ کو آنریری اسسٹنٹ کلکٹر کا منصب عطا کیا ہے۔ اور یہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ آپ اس دیدہ ریزی سے داد عدل و انصاف دیتے ہیں کہ بہت کم لوگوں کو آپ کے اجلاس کے خلاف ضرورت مرافعہ پیش آتی ہے۔ اور جو اپیل کرتا ہے زیادہ تر ناکام ہی رہتا ہے

شاعری کا شوق فطری ہے۔ بچپن سے شاعری کرتے ہیں۔ ابتداءً کسی سے اصلاح نہیں لی۔ اوسط زمانہ میں فدا صاحب کو چند غزلیں دکھائی ہیں۔ اور دو ایک غزلیں حضرت احسن مارہروی نے دیکھی ہیں۔

آپ کے خیال میں حقیقت نگاری، تأثیر اور سادگی زبان شعر کے لئے شے ضروری ہے اور اسی کے آپ پابند بھی ہیں۔ نام و نمود سے گھبراتے ہیں پھر بھی دنیائے شاعری میں ایک مشہور و معروف ہستی ہیں۔ آپ کا یہ شعر غالباً ہر صاحب مذاق کی زبان پر جاری ہے۔

؎ یارب دعائے وصل نہ ہرگز قبول ہو
پھر دل میں کیا رہے گا جو حسرت نکل گئی

مین پوری میں مجالس شعر و سخن کی روح رواں ہیں۔ اگر بہ نظر حقیقت دیکھا جائے تو شعر و سخن کی حیات و بقا کے لئے ان کی مساعی اس قدر زریں ہیں کہ دنیائے شاعری انہیں کبھی محو و فراموش نہیں کر سکتی

اپنی خوش مذاقی اور دریا دلی کے باعث مرجع شعراء و ادبا ہیں۔ آپکا

زر انکہ وہ زیادہ تر شعراء کی اقامت گاہ رہتا ہے جس کے باعث وہ قریب قریب ہر وقت ہی فضائے شعر و شاعری میں زندگی بسر کرتے ہیں۔

(نوشتہ کشتہ قادری)

غزل

کر گئی روزِ ازل جو مضطرب و بسمل مجھے — دیکھ لے پھر اس نگاہِ ناز سے قاتل مجھے
تیری ہی تصویر ہے لیکن لباسِ عشق میں — دیکھ تو پردہ اٹھا کے لیلیِ محمل مجھے
گوہرِ مقصود کے جویا دیکھ تہ پر جا لگے — تو ڈبو دے آبِ عزت ہی میں اے ساحل مجھے
کہہ رہی ہے پرسشِ پنہاں زبانِ راز میں — اپنی محفل میں سمجھتے ہیں وہ جس قابل مجھے
دیکھ وہ حورانِ جنت میرے لینے کو بڑھیں — اب تو دامن میں چھپا لے اے گور قابل مجھے
اختلاجِ قلب منہ فق روح نذرِ بیخودی — وجہ صد درماندگی ہے قربتِ منزل مجھے
عشق کی رنگینیاں ہیں حسن کی تصویر میں — اے حیاتِ خود بیں سمجھا تو نہ لا حاصل مجھے
جب رہی تکلیف ناکامی خدا یاد آ گیا — سعی حاصل ہو گئی ہر سعی لا حاصل مجھے
دینے والے نے دیا لیکن دیا تو یوں دیا — حسن لاثانی انھیں ارمان لا حاصل مجھے
وصل میں یاد آ رہی ہیں ہجر کی بیتابیاں — پہلے لا حاصل کا غم تھا اب غمِ حاصل مجھے
اک وہی عرضِ تمنا لیکن اس کا کیا علاج — سب کو ان کے سامنے آسان ہے مشکل مجھے
[illegible] پروردۂ آغوشِ طوفانِ حیات — دامنِ موجِ فنا ہے دامنِ ساحل مجھے

کام اصمعی پڑ گیا اب عشقِ لامحدود سے
اب بہت دشوار ہے اندازۂ منزل مجھے

۱۰۔ انجم بھرتپوری

نوٹ: حالات صفحہ ۱۵۴ بہ سلسلہ "باقیات" ملاحظہ ہوں۔

روز کی بیتابیوں نے کر دیا بسمل مجھے — چین لینے ہی نہیں دیتا یہ دردِ دل مجھے
مار کر زندہ کیا۔ پھر کر دیا بسمل مجھے — میری قسمت سے ملا معجزنما قاتل مجھے
جستجو ہے اپنی اپنی۔ اپنا اپنا انتخاب — قیس محمل ڈھونڈھتا تھا اور میرا دل مجھے
مثل اون کے میں بھی کیا عہدِ وفا کو توڑ دوں — اُن کو ہے آساں سہی آساں، وہ بہت مشکل مجھے
چل دیا اُٹھ کر ادھر ہی اشتیاقِ دید میں — جس طرف جس نے بتا دی یار کی منزل مجھے
ضبط کہتا ہے کہ لے صبر و سکوں سے کام کچھ — شوق کہتا ہے کہ جانے دو سوئے قاتل مجھے
پاس کی رنج و الم کی آہ کی۔ فریاد کی — ہو چکیں تھیں آفتیں بہرِ وفا نازل مجھے
پھر مقدر میں لکھی ہیں ذلتیں رسوائیاں — لے چلی پھر سوئے جاناں آرزوئے دل مجھے
پہلے تو بے سوچے سمجھے خاتمہ ہی کر دیا — ڈھونڈھتا پھرتا ہے اب دنیا میں دردِ دل مجھے
عشق کی راہیں کٹھن ہیں عشق کے جادے ہیں سخت — کیسے دھوکے دے رہا ہے رہبرِ منزل مجھے
زاہدو میری نمازِ آخری اب دیکھنا — مل گیا بہرِ مصلیٰ دامنِ قاتل مجھے
سچ ہے دنیا ہی میں ملتی ہے مکافاتِ عمل — میں نے دل کو کھو دیا کھو کر رہیگا دل مجھے
یہ تو انجمؔ تجربہ میں نے کیا ہے بارہا — یا علیؓ جب کہہ دیا آساں ہوئی مشکل مجھے

۱۱۔ اختر شیرکوٹی

راج بہاری لال نام، ماتھر کایستھ دیوان بنواری داس ماتھر کے بیٹے قصبہ شیرکوٹ ضلع بجنور کے متوطن ہیں۔ آپ ۱۸۸۶ء میں پیدا ہوئے۔ ابتداءً کچھ عرصہ تک

رسم و رواج سابقہ کے مطابق فارسی وغیرہ کی تحصیل مکاتب میں کی۔ اس کے بعد تحصیلی اسکول شیرکوٹ میں داخل ہو کر سنہ ۱۹۰۱ء میں اردو مڈل پاس کیا۔ اس کے بعد دہلی میں پنجاب یونیورسٹی سے سنہ ۱۹۰۳ء میں انگریزی مڈل پاس کر کے سنہ ۱۹۰۷ء ملازمت عدالت دیوانی اختیار کر لی۔ اور اب منصرم منصفی شکوہ آباد ضلع مین پوری ہیں۔ چند روز حضرت فدا اگلاڈھی سے اصلاح لی۔ اب ایک عرصہ سے حضرت احسن کے زمرہ تلامذہ میں شامل ہیں۔

غزل

جو نہ پیش آنی ہو پیش آ جائے وہ مشکل مجھے
چل پڑا تو کیا خیالِ دوریِ منزل مجھے

لو نظر آنے لگے وہ جلوہ ہائے دل مجھے
اب حقیقت معنوں میں مل گئی منزل مجھے

واہ ری غفلت نہیں رکھا کسی قابل مجھے
دین کا کیا ذکر دنیا بھی نہیں حاصل مجھے

دل مرا دریا کی موجوں میں ابھی تک غرق ہے
آشنا گو کھینچ لائے جانب ساحل مجھے

تھا سکونِ مستقل دیباچہ صد انقلاب
ڈھونڈتے پھرتے ہیں ہر ذرہ ہائے دل مجھے

نشۂ ہستی میں پھر بھی میری آنکھیں بند ہیں
گو نظر آنے لگا ہے اپنا مستقبل مجھے

کوشش جاؤ بہر نوع آدمی کا فرض ہے
یہ بھی قسمت کہ پھر کچھ بھی نہ ہو حاصل مجھے

دوست سمجھے جس کو انساں درحقیقت دوست ہے
اب تو قاتل بھی نظر آتا نہیں قاتل مجھے

میری آنکھوں میں ترے جلوے کچھ ایسے جذب ہیں
دیکھتی ہے تیرے دھوکے میں تری محفل مجھے

کوندتی ہیں رات دن سارے جہاں میں بجلیاں
آشیانِ خارخس کیا ہو گیا حاصل مجھے

تیرے کوچہ ابھی قسمت میں ہیں رسوائیاں
کھینچ لائی ہے یہیں پھر آرزوئے دل مجھے

میں نے احقر عیش دنیا کی کبھی حسرت نہ کی   آپ نے پایا نہ ہوگا موت سے غافل مجھے

۱۲ — آشفتہ لکھنوی

سید علی نام، آشفتہ تخلص، مولانا سید حسن مثنیٰ صاحب مرحوم کے صاحبزادے (دیکھو صفحہ ۱۴۳)

غزل

کر دیا تھا میری مظلومی نے اس قابل مجھے   چپکے چپکے مدتوں رویا کیا قاتل مجھے
کیا ازل ہی سے نہ سمجھا رحم کے قابل مجھے   میرے مالک دے دیا اک خنجر آسا دل مجھے
بے نیازی حسن کی کھو دی نیاز عشق نے   خیر کچھ تو مل گیا اس زیست کا حاصل مجھے
آ گیا ہوں سرفروشانہ سرِ راہ فنا   دیر میں آواز دے یا جلد اب قاتل مجھے
تھی شکست رنگ ہستی کی صدا بازگشت   کر گیا خاموش جس ہچکی پہ میرا دل مجھے
دیں نسیم ساز غم نے کس مزے کی لوریاں   کر گئے مصروف خواب یاس آہ دل مجھے
دل سراپا یاس ہے اور تو حجاب اندر حجاب   کچھ نظر آتا نہیں جز سعی لاحاصل مجھے
ہو چکا ہوں عشق کی خودداریوں پر مطمئن   آپ لینے آئیگا منجدھار تک ساحل مجھے
اک تمنا ہے تلافیِ ستم لازم نہیں   ہو سکے تو جوڑ کر دینا بکھرے گا دل مجھے
موت سے حل ہو تو ہو اس راز ہستی کا طلسم   کھو دیا ظالم نے پہنچا کر سر منزل مجھے
دیکھئے اب کونسا نقش عمل آتا ہے راس   ضبط مشکل موت مشکل زندگی مشکل مجھے

ہاں میں کافر تھا نگاہِ ناز پر ایماں نہ تھا
کر دیا آشفتہ دل کی چوٹ نے قائل مجھے

۱۷ - برق - کاکوروی

سید محمد حکیم الدین نام، مولوی محمد نعیم الدین کے صاحبزادے متوطن کاکوری (لکھنؤ) اور سادات علویہ سے ہیں۔ اور آپ کا سلسلۂ نسب ۳۲-۳۳ واسطوں سے بتوسط حضرت محمدن الحنفیہ رض حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک پہونچتا ہے۔

برق صاحب ۲ فروری ۱۸۷۵ء میں بروز سہ شنبہ بمقام کاکوری پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم عربی و فارسی درسگاہ کاکوری میں حاصل کی ۱۸۹۲ء میں پنجاب یونیورسٹی سے انٹرنس پاس کیا۔ اور اپنے خالو حکیم محبت علی صاحب سے علم طب کے مراحل ابتدائی اور حکیم واصل خاں صاحب دہلوی سے اس فن کے مدارج انتہائی طے کئے۔ ۱۸۹۹ء میں پنجاب یونیورسٹی سے فاضل کی ڈگری حاصل کی۔

فن شعر میں آپ کو مولانا محسن کاکوروی اور حضرت امیر مینائی لکھنوی سے فخر تلمذ حاصل ہے۔ فرخ آباد میں محرر رجسٹری ہیں۔

غزل

بیقرار و مضطرب محزون و مستعجل مجھے
منتخب لاکھوں سے کر کے دیدیا ہی دل مجھے

رد شکوہ وہ کریں گے کہ کے مستبطل مجھے
یہ کھٹکتا پیشتر سے ہی تھا مستقبل مجھے

ان کو قاتل تھا بنانا اور جو بسمل مجھے
میرا دل دینا تھا ان کو اور ان کا دل مجھے

کام کا تیرے نہیں تو پھیر دے قاتل مجھے
پھیر دے اچھا برا جیسا ہے میرا دل مجھے

یادگار ہستیِ گم گشتگانِ دہر ہوں
زندہ دار نام نامی مل گیا ہے دل مجھے

ہوں تو وہ گمنام جس پر خود ہے گمنامی کو ناز نام رکھنے کے لئے کہتے ہیں سب بسمل مجھے
مجھ کو اور ساحل کو ہے مایوسیوں کا سامنا میں لبِ ساحل کو تکتا ہوں لبِ ساحل مجھے
کثرتِ آلام سے سارا لہو پانی ہوا [illegible] [illegible] آخر دل مجھے
جوشِ زن شوقِ شہادت [illegible] [illegible] قاتل [illegible]
جب سے اسیرے پاس [illegible] [illegible] مجھے
تھی گراں ہستی مری میری بقا کی ذات پر لیکن [illegible] مٹنے والوں میں کیا شامل مجھے
کچھ [illegible] دیا ہے لکھ کر ان کو حالِ زار دیکھوں کیا دیتا ہے پیغام لا کے اب [illegible] مجھے
میرے ہر شعر کی مطلق آپ نے پروا نہ کی آپ نے سمجھا تھا گویا [illegible] غافل مجھے
کچھ نہیں کوشش سے ہوتا کرتی ہے تقدیر سب یہ سبق دیتی ہے گویا سعیِ لاحاصل مجھے
آپ کھل جائیگا دنیا کو جو اس کا حشر ہے [illegible] دامنِ قاتل سے مجھے
[illegible] آسان تھا کھینچ کر کیا جانے کیسے لائی [illegible] مجھے

۱۳ - بسمل فرخ آبادی

عبد العلی خاں نام، مولوی یوسف علی خاں کے خلف الرشید، متوطن فرخ آباد اور خویشگی پٹھان ہیں۔ آپ کے آبا و اجداد خویشگی سے کہ غزنی کے قریب ہے، ہندوستان آکر بلند شہر، شاہجہاں پور اور فرخ آباد میں علی حسب سہولت آباد ہو گئے تھے۔

بسمل صاحب سنہ [illegible]ھ میں بمقام سہارن پور پیدا ہوئے جبکہ ان کے والد ماجد بسلسلۂ ملازمت وہاں اقامت گزین تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد

سے پانچواں انگریزی) ابتدائی تعلیم کے واسطے گورنمنٹ ہائی اسکول علی گڑھ میں بھرتی ہوئے آٹھویں درجہ تک پڑھا اور اسی درجہ میں دو سال فیل ہوئے طبیعت اچاٹ ہوگئی اور پڑھنا چھوڑ دیا۔ ۱۹۱۸ء میں طبیہ کالج دہلی میں داخل ہوگئے۔ اور وہاں کا کورس ختم کرکے ۱۹۲۱ء میں طبیب کامل کی سند حاصل کرلی۔ علی گڑھ اور گنج ڈونڈوارہ میں مطب کرتے رہے۔ اب ڈسٹرکٹ بورڈ ایٹہ میں بزمرۂ اطبائے امدادی ملازم ہیں۔ اپنے فن میں کامل، وضعدار ایک نہایت ہی با اخلاق انسان ہیں۔ علیگڑھ جیسی علمی و ادبی مقام کی تربیت نے ادبی ذوق پیدا کیا اور دوران تحصیل فن طب کتب بینی اور مولد و ملجائے اردو "دہلی" کے قیام نے اس مذاق کو چمکایا اور آپ نے دنیائے شعر و شاعری میں قدم رکھا ابتدائً حضرت عطا (قاضی عطاء الحق صاحب سہارنپوری) سے کہ علی گڑھ کی کسی عدالت میں پیشکار اور نام و نمود سے گریزاں اردو و فارسی سخنوری میں ایک سرآمد روزگار بزرگ تھے تلمذ اختیار کیا۔ اور چونکہ موصوف کو عدالتی کاموں سے بہت کم فرصت ملتی تھی۔ اس لئے حضرت ہادی بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی وکیل ہائیکورٹ الہ آباد سے کہ اس زمانہ میں علیگڑھ میں وکالت کرتے تھے۔ دو تین سال تک اصلاح لیتے رہے۔ اب جو کچھ تصنیف کرتے ہیں زور طبع سے خود ہی صاف کرلیتے ہیں۔

غزل

دینے والے بس کہ سب کچھ ہوگیا حاصل مجھے
تو نے سب کچھ دیدیا دیکر گداز دل مجھے
تو نے یہ کیا شے پلادی ساقیِ محفل مجھے
کردیا جس نے حقیقت آشنائے دل مجھے

اس کے دامن میں تھا ہر آرامِ جاں حاصل مجھے
یاد آیا پھنس کے اب گرداب میں ساحل مجھے
چھاننے دے اے جنوں خاکِ رہِ منزل مجھے
ان ہی ذروں میں نظر آجائے شاید دل مجھے
دل لگی میں لٹ گیا سارا متاعِ آرزو
یہ وفاؤں کا ہوا نعم البدل حاصل مجھے
بیقرارِ شوق ہوں حسن او خدا کے واسطے
منہ زبانی یاد ہے سب داستانِ دل مجھے
میں تو سمجھا تھا تجھے اک شغلِ الفت بیخودی
کر دیا تو نے تو ہیچ سابیزِ منزل مجھے
اور اک ساغر عطا کر اللّٰھم زِد فزِد
بے نیازِ ہوش کر دے ساقیِ محفل مجھے
ٹھہر جا رکھتا ہوں اک بھاری سا پتھر قلب پر
یاد ہے تیرا ابھی نسخہ اضطرابِ دل مجھے
ڈال دے کچھ مصیبت میں کہ تیری یاد سے
کر نہ دے عیشِ تن آسانی کہیں غافل مجھے
اُف رے آئینِ محبت اتنی دلسوزی کے بعد
داغ وہ بھی داغ ناکامی ہوا حاصل مجھے
اب تو اس درجہ ہے محرومیِ قسمت کا رنگ
خود بری لگتی ہے اپنی آرزوے دل مجھے
جستجو میں اپنی مجھ کو کھو تو جانے دے ذرا
دور سے پہچان لے گی خود تری منزل مجھے
اک نظر کی بات ہے جی جاؤنگا اجی جاونگا!
دیکھ لے بس اک نظر بس اک نظر قاتل مجھے
میری ہر جد و جہد نے ہو کے ثابت رائیگاں
ابتو بسمل کر دیا تقدیر کا قائل مجھے

۱۵ — بصیر فرخ آبادی — (حافظ ہزار میر خاں صاحب ساکن مین پوری)

دردِ فرقت سے ہے چلنا دو قدم مشکل مجھے
ضعف سے ہے کوئی لے جاتا سینکڑوں منزل مجھے
لے چلا ہے جانبِ محبوب جذبِ دل مجھے
میرے دل میں تھیں عزیزیں وہ گئیں سب بل مجھے
میں نے یہ سمجھا کہ نظارہ ہوا حاصل مجھے
جب کہ در پردہ نظر آیا مہِ کامل مجھے
کون تھا کس کی ادائے شوخ دل کو لے گئی
کون تھا کس شوخ نے یارب کیا بیدل مجھے

میکدہ میں بھی نشہ [illegible] ہو جاتا ہے تو
یاد آئیگی جو رات سے ساقی تری محفل مجھے

سینکڑوں دل چلے ہیں [illegible]
اب قضا دکھلائے گی حوروں کی بھی محفل مجھے

[illegible]
حسن کا شربت بنا آب چہ بابل مجھے

[illegible]
پھر نظر آیا نہ وہ ہرگز مہ کامل مجھے

[illegible] پھیر دے [illegible]
[illegible] نہ ملا یوں صورت بسمل مجھے

آتش رشک حسد سے جل رہا ہے [illegible]
وصل [illegible] کا جب ہو گیا حاصل مجھے

جس جگہ سے تالیاں دیکر نکلوائے گئے
پھر [illegible] زنجیر دل مجھے

ابتدائے عشق میں اس درجہ بیتابیاں
دیکھئے دکھلائیگا کیا کیا ابھی یہ دل مجھے

کیوں نہ جھک جھک کر بلائیں لوں تری تیغ ناز کی
تو کرائے گی عدم کی دم میں طے منزل مجھے

اس قدر بیتابیاں ہوتیں نہ ہوتا اضطراب
خوبیاں ساقی عطا ہوتیں نہ ملتا دل مجھے

تیغ بیداد قاتل نے قتل کر کے لے تصویر
شکر ہے ان کے شہیدوں میں کیا شامل مجھے

۱۶ — مجھوؔ ڈبائیوی (بابو رام تلمیذ حضرت عاشقؔ ڈبائیوی)

نوٹ: حالات بسلسلہ باقیات ۱۹۵ پر ملاحظہ ہوں

بدگمانی پھر کئے دیتا ہے اضطراب دل مجھے
ہاں دکھا کچھ تو اثر اے جذبۂ کامل مجھے

ذبح کے قابل سمجھتا ہی نہیں قاتل مجھے
منفعل کرتی ہے میری سعی لاحاصل مجھے

ہوں وہی پردہ ہوں جس میں انکا جلوہ ہے نہاں
دربدر ناحق لئے پھرتا ہے میرا دل مجھے

جستجو میں پھر اسی منزل کی آوارہ ہوں میں
کر گئی تھی جو کبھی گم کردہ منزل مجھے

پردۂ حائل مجھے اچھا بتایا یار نے
میں ہی مٹ جاؤں تو کیونکر وصل ہو حاصل مجھے

لے چلا پھر کون مجھ کو جلوہ گاہِ ناز میں
کوستا ہوں دل کو میں اور کوستا ہے دل مجھے

اضطرابِ شوق اک دن کام لے گا یاس سے خواہ مخواہ دو قدم بھی اور آگے پڑ گئی کیا ساحل مجھے
ہے بہت دشوار بچنا دل کا بزمِ ناز میں اور تو ہر بزم میں تبسم ہو گیا ثابت قاتل مجھے
رہ گیا بیخود میں ہاتھوں سے کلیجہ تھام کر کر دیا کس کی نگاہِ ناز نے بسمل مجھے

۱۶ ۔ بسمل [illegible]

ہادی یار خاں نام، منشی اسد یار خاں کے صاحبزادے، وطن [illegible] ضلع علیگڑھ ہے اور یوسف زئی پٹھان ہیں۔

آپ ۱۷ ربیع الاول ۱۳۱۵ھ میں بمقام [illegible] پیدا ہوئے [illegible] کے بعد [illegible] میں سایہ پدری سے محروم ہو گئے آپ کی تربیت آپ کے نانا زاد بھائی [illegible] صاحب نے کی اور اردو مڈل تک تعلیم دلائی۔ دوران تعلیم خلیفہ غلام حسین [illegible] نامی بزرگ سے فارسی درسیات بھی پڑھیں۔ [illegible] کے سالانہ مشاعروں کی شرکت سے شوق شاعری پیدا ہوا اور ۱۹۱۹ء میں خود اپنے وطن میں ایک سالانہ مشاعرے کی طرح ڈالدی اور اس طرح اپنے اہل وطن کے دل میں جذبۂ شعر و شاعری پیدا کر دیا جہاں ایک شاعر ڈھونڈے سے نہ ملتا تھا اب ایک اچھی خاصی تعداد [illegible] موجود ہیں۔

آپ کو حضرت اختر حکیم محمد محبوب علی خاں صاحب فیروزآبادی سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ شاہ ابوالحسن صاحب اٹاوی کے فیض باطنی نے جن سے آپ بیعت ہیں آپ میں ایک خاص کیفیت پیدا کر دی ہے جو آپ کے کلام سے جا بجا نمایاں ہے۔

۱۹۵۵ء

غزل

بحرِ غم میں ہے سفینہ دور ہے ساحل مجھے
دے تو ہی آ کر سہارا ناخدائے دل مجھے
دل سے اک پیدا اگر سے ہوا حاصل مجھے
دل کو میں روتا ہوں اور روتا ہے میرا دل مجھے
جان کر بیکس سمجھ کر رحم کے قابل مجھے
خود اٹھا کر رکھ گئیں موجیں لبِ ساحل مجھے
اب تو خود حسرت سے تکتا ہے مرا قاتل مجھے
کر دیا ناکامیوں نے رحم کے قابل مجھے
تم ستم کرتے ہو لیکن ہے اس کا خیال
زندگی اپنی نہ ہو جائے کہیں مشکل مجھے
ہیں وہ مجنوں ہوں تصور میں ہے جس کے یہ اثر
وحشت کا ہر ذرہ آتا ہے نظر محمل مجھے
جب مری حسرت بھری آنکھوں سے آنکھیں مل گئیں
دیکھنے کا دیکھتا ہی رہ گیا قاتل مجھے
ہوں وہ ناکامِ محبت غرق جس دم میں ہوا
مضطرب موجیں پھریں ڈھونڈا کیا ساحل مجھے
میں وہ دیوانہ ہوں جب گھر سے بیاباں کو چلا
سو قدم لینے کو آئی خود مری منزل مجھے
جب قریبِ ساحل کے پہنچا آ گئی کمبخت نیند
جب کھلیں آنکھیں تو کوسوں دور تھا ساحل مجھے
دل کا لینے والا کچھ آپ سے مشکل تھا
بس خیال اتنا ہی پڑتا ہے میاں بسمل مجھے

۱۸ — تاج میرٹھی

اظہر الحسن زبیری رکن ادارت رسالہ "خاتون" و مدیر رسالہ "فتنہ" میرٹھ

ہو مبارک نزع میں ہونا مرا غافل مجھے
بند آنکھیں کیا ہوئیں ہاتھ آ گئی منزل مجھے
زندگی جاوداں بخشے جو مٹ کر دل مجھے
تب میں سمجھوں لذتِ دنیا ہوئی حاصل مجھے
گریۂ بے اختیار اب ضبط ہے مشکل مجھے
گدگداتا ہے خیالِ ناوکِ قاتل مجھے
غرق ہو کر میری کشتی خود ٹھکانے جا لگی
ڈوب کر ہاتھ آیا بحرِ عشق کا ساحل مجھے

ناتوانی سے گرا جاتا ہوں اک اک گام پر
کھینچ لے منزل پہ اب تو جذبۂ منزل مجھے
پھر سرِ محشر مرا منہ کو کلیجہ آ گیا
پھر سے دہرانی پڑے گی داستانِ دل مجھے
موجِ گردابِ فنا میں کوششیں بیکار تھیں
ہائے روتا رہ گیا ساحل کو میں ساحل مجھے
بندگی میری ہے خود وجہ بنائے دو جہاں
میری حسرت نے کیا پابندِ آب و گل مجھے
ڈھونڈتا پھرتا ہوں میں دنیائے الفت میں مگر
کوئی ملتا ہی نہیں فطرت شناسِ دل مجھے
ہائے منزل پر پہونچنا تھا کہ جاں رخصت ہوئی
عمرِ رفتہ نے دیا دھوکا سرِ منزل مجھے
بحرِ الفت میں تلاطم خیزیوں کی فکر کیا
حلقۂ گرداب ہی بن جائے گا ساحل مجھے !
ٹوٹتے ہی دل کے ٹوٹا ہے طلسمِ آرزو
کر گئی آزاد آوازِ شکستِ دل مجھے !
اٹھ کے کہتا ہے بیاباں میں یہ مجنوں کا غبار
اپنے دامن میں چھپا لے پردۂ محمل مجھے
گرتے پڑتے ہی پہونچ جاؤں حریمِ ناز تک
تجھ سے اتنی آرزو ہے اضطرابِ دل مجھے
لے ہی ڈوبی آرزوئے مرگ بحرِ عشق میں
اپنی جانب کھینچتا ہی رہ گیا ساحل مجھے
دور ہو مہرِ خموشی ہر دہانِ زخم سے
ناشناسِ درد سے کہنا ہے دردِ دل مجھے
اور کچھ کہتی ہے قسمت تابؔ بحرِ عشق میں
چھوڑ دینی چاہئے اب کوششِ ساحل مجھے !

۱۹ ۔ تابؔ فرخ آبادی

گلشنِ ہستی میں لائی حسرتِ بسمل مجھے
پھل کھلائیگی ترے خنجر کا اے قاتل مجھے
تشنہ کامیِ محبت نے کیا بسمل مجھے
آبِ خنجر ہی سے کر سیراب اے قاتل مجھے
ہچکیاں لینا بھی مشکل ہے دمِ بسمل مجھے
زخم نادم کرتے ہیں ہنس ہنس کے اے قاتل مجھے
شرمگیں آنکھوں کی جنبش نے کیا بسمل مجھے
شانِ ابرو کم نہیں خنجر سے اے قاتل مجھے

[illegible]
[illegible] قاتل مجھے

[illegible]
[illegible] دل مجھے

دستِ [illegible] پہ میرا [illegible] لگا [illegible] حنا
[illegible] کی بسمل مجھے

کس طرح ہوگی بسر آخر شبِ تارِ فراق
چاند سی صورت ہی دکھلا دے مہِ کامل مجھے

اے خدا الفت نہ دینا سنگدل اصنام کی
کاش دینا بھی تو پتھر ہی کا دینا دل مجھے

اے سراپا حسن زینت کو جو تو الٹے نقاب
حیرتِ آئینہ ساں کر دے تری محفل مجھے

صورتِ [illegible] اشتیاق
تو ہی دکھلائے اٹھا کر پردۂ محمل مجھے

گلے کے شکوے نہ کرتا شکر کرتا رنج میں
تم پہلے آتے سمجھ کر رحم کے قابل مجھے

قتل تو کرتا ہے [illegible] پیش داورِ حشر میں
خون [illegible] پتہ دیں گی ترا قاتل مجھے

اب تو بارِ زیست تا شب مجھ سے اٹھ سکتا نہیں
قید ہستی سے رہا کر دے مرا قاتل مجھے

۲۰ - جگر مرادآبادی

نوٹ - حالات و سوانح صفحہ ۳۵ پر ملاحظہ ہوں

اب کدھر جاؤں بتا اے جذبۂ کامل مجھے
ہر طرف سے آج آتی ہے صدائے دل مجھے

فکرِ منزل ہے نہ ہوشِ جادۂ منزل مجھے
جا رہا ہوں جس طرف لیجا رہا ہے دل مجھے

یوں تڑپ کر دل نے تڑپایا سرِ محفل مجھے
اس کو قاتل کہنے والے کہہ اٹھے قاتل مجھے

اب زباں بھی دے ادائے شکر کے قابل مجھے
درد بخشا ہے اگر تو نے بجائے دل مجھے

روک سکتی ہے تو بڑھ کر روک لے منزل مجھے
لے اڑی ہے ایک موجِ بیقرارِ دل مجھے

اک جھلک دکھلا بھی اے لغزشِ مستانہ وار
خضر آتا ہے نظر بیگانۂ منزل مجھے

اے ہجومِ ناامیدی شاد باش و زندہ باش
تو نے سب سے کر دیا بیگانہ و غافل مجھے

خونِ دل رنگ سے تم نے کیا عشق ہمیں
بڑھ کے سینہ سے نہ لپٹائے مرا قاتل مجھے
ہیں ازل سے صبحِ محشر تک فروزاں [illegible]
حسن سمجھا تھا چراغِ آخرِ محفل مجھے
پھونک دے اے غیرتِ سوزِ محبت پھونک دے
اب سمجھتی ہیں وہ نظریں رحم کے قابل مجھے
ہر اشارے پر ہے پھر بھی گردنِ تسلیم خم
جانتا ہوں صاف دھوکے دے رہا ہے دل مجھے
جان دے کر حشر تک میں ہوں حریفِ تمنا
ہو مبارک فرصتِ نظارۂ قاتل مجھے
یہ بھی کیا منظر ہے بڑھتے ہیں ہٹتے ہیں قدم
تک رہا ہوں دور سے منزل کو میں منزل مجھے
دردِ محرومی سہی۔ احساسِ ناکامی سہی
اس نے سمجھا تو بہر صورت کسی قابل مجھے
توڑ کر بیٹھا ہوں راہِ شوق میں پائے طلب
دیکھنا ہے جذبۂ بیتابیٔ منزل مجھے
میں رہوں گا ہر تصور ہر نگہ کے سامنے
کاش اک دن قتل کر ڈالے مرا قاتل مجھے
کیسا قطرہ، کیسا دریا، کس کا طوفاں
تو جو چاہے تو ڈبو دے خشکیٔ ساحل مجھے
جا بھی اے ناصح کہاں کا سود و کیسا
عشق نے سمجھا دیا ہے عشق کا حاصل مجھے
اللہ اللہ جوششِ شرمِ گنہگاری جگر
انتظارِ رحمتِ حق ہو گیا مشکل مجھے

۲۱ - حامد اٹاوی

حامد خاں نام، محمد خاں کے صاحبزادے اٹاوہ کے رہنے والے اردو مڈل تک تعلیم پائے ہوئے تحصیل کرہل میں بزمرۂ امیدواراں منسلک ہیں۔ ۲۳ سال کی عمر ہے جس کے حساب سے غالباً ۱۹۰۸ء میں پیدا ہوئے ہوں گے۔

(از حالات نوشتہ قاسم کرہلی)

غزل

ہم نے اس انداز پر قاتل کے دل کو دیدیا
غیر پر ڈالی نظر اور کر دیا بسمل مجھے
تیر کا تم کیا کروگے تیر کو رہنے بھی دو
تا کہ کچھ معلوم ہو انداز زخم دل مجھے
اضطراب درد دل کی شورشیں سب مٹ گئیں
چین بھی آیا تو زیر خنجر قاتل مجھے
کوئی دم میں بجھنے والا ہے چراغ زندگی
اب نظر آتا ہے کچھ [illegible] دل مجھے
الوداع لے اضطراب قلب مضطر الوداع
آج کہنا ہے کسی سے آرزوئے دل مجھے
کشتی عمر رواں گرداب غم میں آپڑی
اب تو کوسوں تک نظر آتا نہیں ساحل مجھے
آج لیلائے دو عالم ہے اسی میں جلوہ گر
بن گیا ہے دل کا پردہ پردۂ محمل مجھے
ہائے راہِ عشق میں اس بخت کی برگشتگی
دو قدم چلنا بھی حامد ہو گیا مشکل مجھے

۲۲ حفیظ۔ فرخ آبادی

حفیظ الرحمن خاں نام حفیظ تخلص، منشی ارادتمند خاں کے بیٹے اور علیگڑھ (ضلع فرخ آباد) کے باشندے ہیں بچپن ہی میں حضرت شاہ طالب حسین صاحب مجیبی سے شرف بیعت حاصل ہے اسلئے حفیظ مجیبی کے نام سے معروف ہیں حفیظ صاحب اکتوبر سنہ ۱۹۰۲ء میں اپنے وطن میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم اپنے چچا سعادتمند خاں مرحوم کے پاس فتحگڈھ میں پائی پھر گوالیار میں انگریزی پڑھتے رہے مگر چونکہ وہاں کی آب و ہوا راس نہ آئی لہذا مکان پر چلے آئے اور فتحگڈھ ہی میں سلسلہ تعلیم شروع کیا یکایک مسئلہ خلافت کے باعث سنہ ۱۹۲۰ء میں تعلیم کیساتھ بوجہ اختلاف اعزا کو بھی خیرباد کہدیا اور آئندہ زندگی کیلئے قومیت کا مستقل شغل اختیار کر لیا سنہ ۲۲ء میں خواجہ عبدالمجید و ڈاکٹر یوسف حسین خاں ریڈر وغیرہ جامعہ عثمانیہ دکن،

کی تحریک پر پھر حصولِ علم کے ولولہ نے مجبور کیا اور جامعہ ملیہ اسلامیہ میں تعلیم حاصل کرنی شروع کر دی ۲۵ء میں گو نیم پابند زندگی کو ادارت اخبارات کی پابندیوں سے بدل دیا اور ۳۲ء تک ۷ سال "فرخ آباد" کی ادارت کرتے رہے اور اب ۳۳ء سے اپنے مستقل اخبار "مجیب" فرخ آباد کی ادارت کیا ساتھ ساتھ رسالہ "مشاعرہ" فرخ آباد کے ایک رکن رکین کی حیثیت سے بھی کام کر رہے ہیں۔ آپ کا پیرانہ سالی ہی ایک آزاد منش اور خوش مذاق نوجوان ہیں شاعری کا شوق جناب حفیظ کو ۱۹۱۶ء سے بزمانہ قیام گوالیار مجالس شعریہ میں شرکت اور حضرت مضطر خیرآبادی مرحوم و بابو نرائن پرشاد مہر بی اے کی قیمتی صحبتوں میں پیدا ہو گیا تھا اور انہوں نے وہیں فن کے ابتدائی مراحل طے کرنا شروع کر دیے مگر جب ۱۹۱۹ء میں رولٹ ایکٹ کا زمانہ ہیجان شروع ہوا وہ گل و بلبل کے چمنستان نوا سنجی سے اکتا کر خالص مذہبی قومی شاعری کی جانب متوجہ ہو گئے دوران تعلیم جامعہ ملیہ مولانا مومن تونکی کے فیضان صحبت جناب مداح بکھیپو ندوی جناب باقی جائسی کی کرم فرمائیوں نے جادو کا کام کیا اور ہر انواع و اقسام کی ذہنی صعوبتوں اور مستقل پریشانیوں نے حقیقی ماحول شاعری پیدا کر دیا اور وہ ایک با اثر پر تاثیر اور دلگداز کلام کے حامل ہیں۔

(ماخوذ از خود نوشت و نوشتہ جناب کشتہ قادری)

غزل

وہ بھی کیا دن تھے کہ لطفِ زیست تھا حاصل مجھے
ہر نفس تھا اک پیامِ اضطرابِ دل مجھے

لے اڑی ہے بیخودی اضطراب دل سے مجھے
روکتا ہے حسرتِ نظارۂ قاتل مجھے

دور تجھ سے کر رہا ہے اضطرابِ دل مجھے
اب اٹھا دینا ہے یہ بھی پردۂ حائل مجھے

کاش اتنا ہی بتاتی بیخودیِ دل مجھے
کھو گیا میں آپ یا گم کر گئی منزل مجھے

دیکھنا ہے یہ کہاں لیجائے جذبِ دل مجھے
ہر قدم پر اب نظر آنے لگی منزل مجھے

کوئی طوفانِ حشر انگیز ہے [illegible]
دور ہٹتا جا رہا ہے بیکنار ساحل مجھے

تاقیامت [illegible] تمھیں کیا میں کہیں بھی گر پڑوں
میری ہر افتاد کی شوخی ہے منزل مجھے

رفتہ رفتہ ہو گئی تکمیلِ تعمیرِ حیات
میری فطرت نے بنا ڈالا سراپا دل مجھے

ہر قدم پر ہے بپا عالم ہجومِ شوق میں
ہر نفس دکھلا رہا ہے اک نئی منزل مجھے

بادۂ پرجوش سے بجھتی نہیں میری پیاس
[illegible] آنکھوں سے چھلکا دے ساقی [illegible] مجھے

میں محیطِ عشق میں ہوں ایک ذرہ [illegible]
حسن کا ہر قطرہ ہے اک بحرِ بے ساحل مجھے

الاماں یہ مری ظالم جنوں سامانیاں
دور سے گھبرا رہی ہے دیکھ کر منزل مجھے

میں کہاں اور وحشت آبادِ غمِ ہستی کہاں
پیکرِ انساں میں لائی قیدِ آب و گل مجھے

نزع میں کچھ کہتے کہتے رک گئی ہے کیوں زباں
ان سے کہنا ہے ابھی تو داستانِ دل مجھے

پھر وہی طوفاں وہی کشتی وہی موجِ فنا
راس کب آئی ہوائے دامنِ ساحل مجھے

نیم باز آنکھوں کا وہ منظر ابھی تک یاد ہے
قتل کرنا پھر اسی انداز سے قاتل مجھے

سوز سے کھویا ہوا اک شمعِ کشتہ ہوں حفیظ
کیوں نہ سمجھیں لوگ بارِ خاطرِ محفل مجھے

۲۳ - ورد مین پوری

آنکھ تک آتے ہی دل سے کر گئی بسمل مجھے
آرزوئے دیدِ جاناں بن گئی قاتل مجھے

تیری مشقِ تصور نے کیا بسمل مجھے
دل کے آئینہ میں پھر آیا نظر قاتل مجھے

قبر میں بھی حشر تک رہنا پڑا اب بیقرار
چین سے سونے نہ دیگا میرا دردِ دل مجھے

میں وہ مجنوں ہوں ترا اے لیلیٰ پردہ نشیں
اپنے ہر ذرہ میں آتا ہے نظر محمل مجھے

گیسوئے جاناں بکھرتے ہی گھٹا سی چھا گئی
خود نظر آنے لگا دھندلا مہ کامل مجھے
بخت خوابیدہ جو میرا جاگ اٹھا یہ کیا ہوا
حاصل خواب تمنا نے کیا غافل مجھے
تھا عجب ذوق کشش قالب میں لائی کھینچ کر
یہ تو لذت ازل سے میرے آب و گل مجھے
خاک کے بوسے لئے بڑھ کر جبین شوق نے
جب نظر آیا نشان حاصل منزل مجھے
بحر ہستی میں جو طوفان خیز کچھ موجیں اٹھیں
قطرۂ اشک رواں میرے بنے ساحل مجھے
دائمی جب فضل الٰہی میرے شامل حال ہو
کیوں نہ ہو آساں جو پیش آئی کوئی مشکل مجھے

۲۴۔ رزاق شیخپوری (عبدالرزاق۔ شیخپور۔ ضلع فرخ آباد)

تو نے او تیغ ادا ایسا کیا بسمل مجھے
کیا کہوں اس کے سوا جینا ہوا مشکل مجھے
ابتدائے عشق میں صحرا نوردی کی ہے دھن
آگے آگے دیکھئے کیا کیا دکھائے دل مجھے
لیچلا صحرا کی جانب کھینچ کر جوش جنوں
اس طرح کرنی پڑی طے عشق کی منزل مجھے
فصل گل آئی طبیعت مائل وحشت ہوئی
اے جنوں بہر خدا زنداں میں کر داخل مجھے
آس کی کشتی پھنسی ہے بحر غم میں آجکل
یاس کی صورت دکھائے کیوں نہ چشم دل مجھے
یاد ان کی ہر گھڑی لیتی ہے دل میں چٹکیاں
سانس کا لینا بھی آخر ہو گیا مشکل مجھے
اپنی جو خواہش تھی وہ شکر خدا پوری ہوئی
لیچلا شوق شہادت جانب قاتل مجھے
واہ ری تقدیر جب سے میں نے ان کو دل دیا
ہر ادائے دلنوازی ہو گئی قاتل مجھے
جان کیونکر دیتا ہے پروانہ عشق شمع میں
لاش نے اس سوختہ کی کر دیا قائل مجھے
طالع قسمت چمک اٹھے مثال آفتاب
کاش مل جائے جو وہ رشک مہ کامل مجھے
ایک ہلکا سا تو قاتل وار مجھ پر اور کر
چھوڑتا کیوں ہے خدا کے واسطے بسمل مجھے

بحر سے کشتی نظر آتی نہیں اب زندگی — ان بتوں کے ظلم سے جینا ہوا مشکل مجھے
دیکھتا ہوں خواب میں اکثر میں انکی مانگ کو — آج کل در پیش ہے ظلمات کی منزل مجھے
کوچہ دلدار تک اپنا پہنچنا ہے محال — کھینچ کر ذاق لایا مجھ کو بیرا دل مجھے

۲۵- رزمؔ - ردولوی

جعفر مہدی نام، سادات و رؤسائے ردولی سے ہیں۔ آپ کا سلسلۂ نسب ایک جانب شاہ مخدوم عبد الحق قدس سرہٗ اور دوسری طرف امام رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک منتہی ہوتا ہے۔

رزمؔ صاحب ۹ شعبان ۱۳۲۲ھ کو پیدا ہوئے۔ اور نو دس سال کی عمر تک گھر پر عربی و فارسی پڑھتے رہے۔ پھر فیض آباد کے کسی مدرسہ میں "مولوی" کے درجہ میں داخل کرائے گئے۔ بعدہٗ "مدرسہ سلطان المدارس" لکھنؤ میں تعلیم پائی پھر عراق عرب تشریف لے گئے۔ اب خاندانی جائداد پر قابض، براحت تمام بسر اوقات کرتے ہیں۔ ذوق شاعری کی پیدائش کے متعلق وقائع فیض آباد کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں۔

"امتحان کا زمانہ تھا۔ ایک دن دوپہر کو سو گیا، خواب میں ایک بزرگ سیاہ چادر میں سر سے پیر تک ملبوس مجھے نظر آئے۔ جلالت سے میں متحیر تھا۔ مجھ سے کہنے لگے "تو شعر کیوں نہیں کہتا" یہ خواب دیکھ کر بیدار ہوا۔ اس کے پہلے بھی اگرچہ مجھے شاعری سے ربط نہ تھا تو بے ربطی بھی نہ تھی مگر کبھی پوری غزل کہنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ ایک دو شعر کہے تھے......"

بہر حال مذکورہ بالا واقعہ کے بعد آپ اس طرف خاص طور پر متوجہ ہو گئے۔ اور ایام تعطیلات میں جب وطن پہونچے تو وہاں کے مشاعروں میں خصوصیت کے ساتھ شرکت کرنا شروع کر دی۔ خود غزل کہتے مگر کسی اور شخص کے نام سے اور وہی مشاعرہ میں پڑھ بھی دیتا تھا۔ سلطان المدارس کی تعلیم کے دوران میں ذکی، اور بذلہ سنج حضرات سے اتفاق معیت و ہم سبقی ہوا۔ اس زمانہ میں مدرسہ مذکور کے طلباء میں شعر و شاعری کا چرچا زوروں پر تھا۔ اور اکثر فی البدیہہ شعر پھبتی کے طور پر کہے جاتے تھے۔ بیت بازی ہوتی تھی۔ آپ بھی اس رنگ میں رنگ گئے اور مولوی ناظم صاحب کے توسط سے جو مدرسہ کی مدرسی کے ساتھ دنیائے شاعری کے بھی خضر راہ تھے۔ اس کوچہ میں علانیہ طور پر گامزن ہوئے دو سال بعد مدرسہ کی تعلیم کے ساتھ مولوی صاحب موصوف کی رہنمائی کا تعلق بھی منقطع ہو گیا۔ اور آپ باوجود ایک زود گو اور پُر گو ہستی ہونے کے بھی جس کا بعض حضرات نے اکثر امتحان کیا۔ اپنے کلام سے مطمئن نہ تھے۔ تا آنکہ کسی تقریب سے حضرت نجم آفندی اکبرآبادی کا گذر ردولی ہوا۔ اور آپ نے ممدوح کے طرز کلام کو پسند کر کے ان سے شرف تلمذ حاصل کر لیا۔

غزل

میں یہ سمجھا دونوں عالم ہو گئے حاصل مجھے
ان کی خود بینی کا صدقہ مل گیا جب دل مجھے
دین و دنیا سے کیا جب عشق نے غافل مجھے
دل نظر آیا کچھ اس کی یاد کے قابل مجھے
ہر سکوں ہر اضطراب موج ہے ساحل مجھے
جس جگہ چاہے ڈبو دے عشق دریا دل مجھے

غم سے سودا کر لیا غم ہو گیا حاصل مجھے
دے نہ سکتے دینے والے دل کے بدلے دل مجھے
تا بہ کے پابند رکھتی وضع آب و گل مجھے
گو پرِ پرواز دیتے حسیاتِ دل مجھے
شوق کس کے رہ گذر کی خاک ہو کر رہ گیا
دامنوں میں لے گئے رہرو سرِ منزل مجھے
دل نشیں نالے و دردِ غم دیتے نہیں کرتا جگر
دل دیا ہے تم نے اپنے تیر کے قابل مجھے
خود کو تا ناز کمی ان کی وہ نا ہمت کے بلند
دو قدم چل کر ہوا اندازۂ منزل مجھے
اللہ اللہ طالب و مطلوب کی یک رنگیاں
امتیازِ دردِ دل بھی ہو گیا مشکل مجھے
دیکھ کر تیرا دیکھنے والا تماشا ہو گیا
خود تماشے کے نظارہ میں شامل مجھے
آ رہے ہیں سامنے تصویر بن کر واقعات
آئینہ تھا زندگی کا خنجرِ قاتل مجھے
ہم نفس یہ عالمِ گم گشتگی کے راز ہیں
پا گیا منزل کو میں یا پا گئی منزل مجھے
روشنی عشق میں جب خود شناسی میں بڑھی
ان کے جلوے ہی نظر آئے سرشتِ دل مجھے
جسم بے جاں محفلِ بے شمع ہو کر رہ گیا
اب دکھا اپنی تجلی شمعِ بے محفل مجھے
سر زدہ کوئی دار پر چڑھ کر کوئی سر پھوڑ کر
طعنہ دیتا ہے ہر اک نا قابل و قابل مجھے

۲۶- رضی - بدایونی

رضی احمد نام، بدایوں کے ایک ممتاز خاندان کے فرد ہیں اور آپ کا خاندان بلحاظ علم و فضل و وجاہت بدایوں میں ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔

آپ کا سنہ پیدائش ۱۸۸۱ء یا ۱۸۸۲ء ہے۔ مروجہ طریقہ کے مطابق عربی و فارسی کی تحصیل مکان پر کرنے کے بعد آپ نے ۱۶ سال کی عمر میں انٹرنس کا امتحان فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا اور ۱۹۰۱ء میں بعہدہ سب انسپکٹری پولیس

مامور ہوئے۔ قدرت نے علمی ذوق شروع سے ہی طبیعت میں ودیعت کیا تھا جو اس ماحول میں جس میں آپ کی پرورش ہوئی نشو و نما پاتا رہا اور اس پر آپ کی ذہانت خداداد وسیع النظری اور کثرت مطالعہ نے اور چار چاند لگا دیئے۔ آپ نے تقریباً ۱۴ سال کی عمر سے شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ پولیس جیسی غیر شاعرانہ ملازمت بھی آپ کی ذوق فطری میں مانع نہ ہو سکی۔ اور دوران ملازمت جس جگہ گئے اپنے گرد و پیش ایک مخصوص علمی و ادبی فضا پیدا کر لی۔ اور اپنی مشغلہ شعر و سخن کو جاری رکھا۔ چونکہ آپ نے اپنے کمال کی نمائش کو پسند اور کبھی دوران ملازمت اپنے آپ کو عام پبلک کے سامنے بحیثیت شاعر پیش نہیں کیا۔ اس لئے اس زمانہ کا کلام زیادہ تر محفوظ نہ رہ سکا۔ حال میں ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد اعزا و احباب کے اصرار سے اب کلام کی تدوین و ترتیب کی طرف توجہ کی ہے اور کافی مجموعہ مرتب ہو چکا ہے۔ جو جملہ اصناف سخن پر حاوی ہے۔

آپ موجودہ دور کی ان چند ممتاز ہستیوں میں سے ہیں جنھوں نے گل و بلبل۔ شانہ و کاکل کی فرسودہ شاہراہ سے الگ ہو کر جذبات کی صحیح ترجمانی اور نقوش فطرت کی حقیقی مصوری کو اپنا نصب العین قرار دیا ہے۔"

آپ کے کلام کی نمایاں خصوصیات۔ رفعت تخیل۔ دلکشی تراکیب چستی بندش۔ اور نزاکت تشبیہات ہیں۔

(ماخوذ از حالات نوشتہ آفتاب احمد خاں)

غزل

دعوتِ سعیٔ عمل دیتی ہے ہر مشکل مجھے
خضرِ منزل ہے خیالِ دوریٔ منزل مجھے

اضطرابِ دل ہے تمہیدِ سکونِ دل مجھے
اب وہ عالم ہے کہ ہر اک موج ہے ساحل مجھے

[illegible] تسکیں مضطرب ہوں ایک جوشِ مستقل
کر دیا کیفِ محبت نے سراپا دل مجھے

آفریں صد آفریں ذوقِ فریبِ جستجو
ذرّے ذرّے میں نظر آنے لگی منزل مجھے

جنبشِ ہر موج پیغامِ فنا دینے لگی
دے نہ دھوکا اے فریبِ حسرتِ ساحل مجھے

غم کی فطرت ہی بدل دی غم پسندی نے مری
کوئی مشکل اب نظر آتی نہیں مشکل مجھے

جمع اک مرکز پہ کر لوں روح کی سب قوتیں
آج ہے منظور شرحِ اضطرابِ دل مجھے

موجِ طوفانِ بلا تیرے کرم کا شکریہ
کر گئی تو بے نیازِ حسرتِ ساحل مجھے

گوش بر آواز ہو جائے نظامِ کائنات
چھیڑتا ہے پردۂ سازِ نوائے دل مجھے

کر دیا راہِ طلب میں گم فریبِ شوق نے
ڈھونڈتا پھرتا ہوں اب منزل کو میں منزل مجھے

کر چکا ہوں طے مذاقِ دید کی سب منزلیں
دے نہ دھوکا اے فریبِ پردۂ محمل مجھے

ہوں کرم پروردۂ آغوشِ طوفانِ فنا
موج ہے کشتی مجھے گرداب ہے ساحل مجھے

رنگ پر ہے داغہائے اشکِ خونیں کی بہار
ہے قفس میں لطفِ گلگشتِ چمن حاصل مجھے

میری کشتی ہے اگر بیگانۂ ساحل ہو تو ہو
کھینچ لے گی خود ہوائے دامنِ ساحل مجھے

فیضِ حسنِ بے تماشا عام ہے لیکن رضیؔ
خود مرا ذوقِ نظر ہے پردۂ حائل مجھے

۴۷ ۔ رعنا۔ اکبرآبادی

شکور احمد نام، نثار احمد صاحب کے صاحبزادے متوطن آگرہ ہیں۔ آپ یکم جولائی سنہ ۱۹۰۱ء کو پیدا ہوئے۔ عربی، فارسی اور اردو ادب پر عبور کافی رکھنے کے ساتھ انٹرنس تک انگریزی تعلیم پائے ہوئے ہیں۔ تجارت جیسا باعزت پیشہ ذریعہ معاش ہے۔

سنہ ۱۹۲۱ء سے شاعری شروع کی۔ ابتدائی غزلیں حضرت بزم آفندی اکبرآبادی کو دکھلائیں۔ بعد میں حضرت نجم آفندی اکبرآبادی سے مشورہ کیا۔ اور اب تک یہی مسلک ہے۔

ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں اور بڑے بڑے مشاعروں میں شرکت و کامیاب غزلخوانی نے نظر میں وسعت اور طبیعت میں زور پیدا کر دیا ہے۔

غزل

اضطرابِ عشق سے ہے زندگی مشکل مجھے
کوئی لا دے مانگ کر ان سے سکونِ دل مجھے
خون کیا رسوائے کی نیرنگیٔ محفل مجھے
ہوش میں آنے نہ دیگی بیخودیٔ دل مجھے
کیا ہوا حاصل جھڑک کر صورتِ سائل مجھے
عذر دل لینے میں کیا تھا تم نہ دیتے دل مجھے
دل ہوا تھا اک نگاہِ ناز سے حاصل مجھے
یاد ہے لے ہوش ہستی ابتدائے دل مجھے
جوہرِ نایاب ہوں اتنی کشش ہو کھینچ لے
رہگذر کی خاک سے خاکِ سرِ منزل مجھے
محملِ لیلیٰ کجا لیلائے بے محمل کجا
دے نہ دھوکا اہتمامِ پردۂ محمل مجھے

اے قفس کیا دور ہے۔ اب جا ہوا آشیاں — کر چکی صیاد کی بیداد کے قابل مجھے
جان محمل میں جنہیں سمجھا کیا وہ دل میں ہو — مفت دکھلاتا تھا آنکھیں پردۂ محمل مجھے
کار فرمائے محبت وسعتِ غم کچھ نہ پوچھ — بزمِ امکاں میں نظر آتا ہی دل ہی دل مجھے
لے لیا میں نے جو تم نے ہاتھ اٹھا کر دیدیا — دل کی خاطر غم دیا یا غم کی خاطر دل مجھے
موت ہو یا زندگی کچھ ہو وہی ہے ناخدا — جو تہِ دریا سے لے آئی لبِ ساحل مجھے
یاں مذاقِ آبلہ پائی نے فرصت ہی نہ دی — کارواں سمجھا کیا بیگانۂ منزل مجھے
ہجر کی تاریک راتیں کاٹنے کی چیز ہیں — مشورہ مرنے کا کیوں دیتا ہے میرا دل مجھے
میں شکستہ پا نگاہِ کارواں بدلی ہوئی — اب ٹھکانے ہی لگا دے دوریِ منزل مجھے
موجِ طوفاں تیرے سے تو کوئی آخر پوچھتا — سب کے سب ڈھونڈا کئے رعنا لبِ ساحل مجھے

۳۸- ریاض کاسگنجوی

تم نے بخشا ہے تو سر آنکھوں پہ دردِ دل مجھے — میں یہ سمجھوں گا کہ سمجھا تو کسی قابل مجھے
اس کے جلوے سامنے ہیں اور میں بے ہوش ہوں — میری حیرت نے ڈبویا ہے لبِ ساحل مجھے
آج گو افسردگی سے مثلِ شمعِ مردہ ہوں — ایک دن ڈھونڈے گی تیری گرمیِ محفل مجھے
عشق میں تیرے جو ہو تیرے کرم سے بے نیاز — اے خدائے دل عطا کر دے اک ایسا دل مجھے
ہمتیں بڑھتی گئیں ناکامیوں کے ساتھ ساتھ — رفتہ رفتہ لے اڑی دشواریِ منزل مجھے
اب کہاں مجنوں کہ دکھلاؤں یہ جذبِ شوقِ دید — ذرہ ذرہ ہے بیاباں کا ترا محمل مجھے
دیکھتا ہوں مضطرب ہر شے کو تیرے واسطے — ذرے ذرے میں نظر آتا ہے اپنا دل مجھے
سعیِ حاصل پھر کہاں یہ شوقِ منزل پھر کہاں — کانپ اٹھتا ہوں نظر آتا ہے جب ساحل مجھے

میرا مسلک ہی جدا ہے اہلِ دنیا سے ریاضؔ　　　اب کوئی سمجھا کرے گم کردہ منزل مجھے

۳۹- ساغرؔ نظامی علیگڑھی

صمد یار خاں نام، احمد یار خاں وارثی کے صاحبزادے متوطن علی گڑھ اور یوسف زئی پٹھان ہیں۔ آپ کے دادا ڈاکٹر محمد یار خاں صاحب علی گڑھ کے ایک معزز بزرگ اور میڈیکل کالج آگرہ کے پہلے طالب علم تھے جنہوں نے سب سے پہلے اول درجہ کے امتحان سرجری میں کامیابی حاصل کی۔ اب بھی بطور یادگار قدیم آپ کا نام کالج کی دیوار پر بطور کتبہ کندہ ہے۔

قدیم رسم و رواج کے مطابق آپ نے اردو فارسی اور قرآنی تعلیم گھر ہی پر پائی اور اس کے بعد انگریزی تعلیم علی گڑھ کالج کے حدود میں نا تمام طور پر ختم کی اور آخر سنہ ۱۹۲۱ء میں تحریک آزادی سے متاثر ہو کر باقاعدہ سلسلۂ تعلیم کو خیرباد کہدیا۔

آپ کو شاعری سے فطری طور پر بچپن ہی سے ذوق تھا جب آپ تیسرے کلاس میں تعلیم پاتے تھے اس وقت بھی غیر محسوس طور پر اشعار موزوں کرتے تھے اور چھوٹی چھوٹی نظمیں کہتے تھے لیکن سنہ ۱۹۱۸ء میں صحیح طور پر آپ کو شعر سے شغف پیدا ہوا اور باقاعدہ طور پر حضرت مولانا سیماب اکبرآبادی مدظلہٗ کے تلامذہ میں داخل ہو گئے۔ اور دو تین سال میں غیر معمولی شہرت و قبولیت حاصل کر لی لیکن سنہ ۱۹۲۳ء میں آپ نے آگرہ پہونچکر عملی کام شروع کیا اور رسالہ پیمانہ کو دو تین سال کے اندر ہی اتنی ترقی دی کہ ملک کے مشہور رسائل کی

صف میں لا کھڑا کر دیا۔ اس کے ذریعہ آپ نے ہندوستان کی جدید شاعری کی بنا ڈالی۔

سنہ ۱۸ء میں آپ نے حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی سے شرف بیعت حاصل کیا۔ روحانیت کے آپ اب بھی قائل ہیں لیکن مذہب اور پیری مریدی کے متعلق اب آپ کی طبیعت میں ہوس پن اور تحقیقی مادہ پیدا ہو چکا ہے۔ آپ پکے حنفی مسلمان ہیں لیکن شدید طور پر وسیع النظر واقع ہوئے ہیں اور اس درجہ آزاد خیال ہیں کہ سخت سے سخت صورت حال میں بھی ضمیر فروشی کو روا نہیں رکھتے۔ سنہ ۲۲ء سے سنہ ۳۰ء تک آپ نے مندرجہ ذیل کتابیں تصنیف کی ہیں۔

(۱) شبابیات (جوانی کے متعلق ۴۰ فلسفیانہ رباعیات)، کشمیر کا مستقبل (نظم)، خمخانۂ برکات (نثر)، سمندر کی دیوی (نثر)، تہذیب کی سرگذشت (نثر)، گناہ کی قیمت (نثر)، دلہنوں کی کانفرنس (نثر)، اور غیر مطبوعہ تصانیف کی معقول تعداد کے حامل ہیں۔

آپ نے سنہ ۲۳ء سے سنہ ۲۶ء تک باقاعدہ پیمانہ کی ادارت فرمائی اس کے بعد سنہ ۱۹۲۷ء میں مستقبل (رسالہ) کو ایڈیٹ کیا۔ اس کے بعد سنہ ۲۹ء میں علی گڑھ پنچ (ہفتہ وار اخبار) کے فرائض ادارت انجام دیئے۔ اور آخر میں سنہ ۲۹ء و سنہ ۳۰ء میں مطلق سیاسی و ادبی اخبار استقلال کی ادارت فرمائی جو بالآخر پریس آرڈیننس کے سلسلے میں بند ہو گیا۔

ہر چند کہ آپ کو آپ کی قومی خصوصیت یعنی مشتعل طبعی سے مبرا نہیں کہا جا سکتا لیکن آپ طبیعت کے صاف و سادہ نیک خلیق عمیق طور پر خوددار •

محفلی اور مجلسی نوجوان ہیں۔ مئی سن ۵۳ء سے ملکر ادارت پیمانہ کی خدمت انجام
دے رہے ہیں۔

غزل

اب نہ دیں تکلیف یاران سرِ ساحل مجھے — ل گیا ہے عین طوفاں میں سکونِ دل مجھے
تو نے کیوں کمبخت لٹوایا سرِ محفل مجھے — پھر نمایاں کر کسی ترکیب سے اے دل مجھے
ادیں ہے اس انداز سے دیکھا سرِ محفل مجھے — ل گیا گویا حیات و موت کا حاصل مجھے
ل تو جائے شوق سے آزادی کا ل مجھے — دو ڈکر سجدے کر گئی خود مری منزل مجھے
گم ہوا جاتا ہوں ہر شے میں بغیرِ امتیاز — الاماں کیا جذب کر لے گی تری محفل مجھے
کیا اسی کو میں سمجھ لوں حاصلِ گم گشتگی — ڈھونڈتی ہے ذرہ ذرہ میں مری منزل مجھے
نذر کر دوں تیری نظروں کو دلوں کی کائنات — ساری دنیا کاش دیدے اپنے اپنے دل مجھے
روح میری رنگِ غربت بن کے شاید اڑ گئی — ایک سایہ سا نظر آیا سرِ منزل مجھے
المدد اے اشکِ خونیں اے نگاہِ واپسیں — مرتے مرتے نظم کرنی ہے حیاتِ دل مجھے
اپنی محرومی پہ گردابِ بلا ماتم کرے — چھین لے آغوشِ طوفاں سے اگر ساحل مجھے
میں کہ اک تابانِ حقیقت تھا ئے انوار کی — کیوں دیا تو نے فریبِ ہستیِ باطل مجھے
کعبہ چپ بتخانہ چپ میخانہ چپ ویرانہ چپ — کیا سنانے کو ہے یہ خاموشیِ محفل مجھے

یاد آیا ہے جوانی کا وہ عہدِ زرنگار
پھر سنا اک مرتبہ ساغرؔ حدیثِ دل مجھے

۳۰ سحر - بلگرامی

شمبھو دیال نام، (منشی ایربھو دیال کے صاحبزادے کایستھ (قانون گو) اور خطہ مردم خیز بلگرام کے ایک ممتاز خاندان کے فرد ہیں۔

آپ سنہ ۹۹ء میں اپنے وطن مالوف میں پیدا ہوئے، اردو فارسی کی تعلیم حسب دستور قدیم گھر پر ہوئی اور ایس ایل - سی تک انگریزی تعلیم گورنمنٹ ہائی اسکول ہردوئی میں پائی۔ پنجاب بایوکیمک اینڈ ہومیو پیتھک کالج لاہور سے ایم بی - ایم کی سند حاصل کی۔ مرد با اخلاق و متواضع ہیں۔ گو دیر آشنا ہیں۔ مگر خلوص کی دولت سے مالا مال ہیں۔

شعر نہایت غور و فکر سے کہتے، جذبات و احساسات کو لطیف ترین انداز میں نظم کرتے اور عاشقانہ و سطحی مضامین سے مجتنب رہتے ہیں حضرت وحشی کانپوری سے مشورہ لیتے ہیں۔ نقد و نظر کا بھی ذوق رکھتے ہیں - چنانچہ رسالہ "جام جہاں نما" لکھنؤ میں بہ عنوان "لکھنو کا ذوق شعری" مسلسل مضامین شایع کر رہے ہیں جو اس مذاق کا آئینہ ہے۔

"جام ساقی کوثر نمبر" بابتہ سنہ ۱۹۳ء میں آپ کے متعلق ان رشحات سے کام لیا گیا ہے۔

"اردو ادب میں آپ کے تنقیدی مضامین اور غزلیں خاص رفعت و امتیاز رکھتی ہیں طبیعت نقاد و شوخ اور پرکیف پائی ہے۔

(ماخوذ از حالات نوشتہ عارف کانپوری)

غزل

اس نے اس انداز سے دیکھا سرِ محفل مجھے
کر لیا اپنی نگاہِ ناز کے قابل مجھے
جانِ استقلال کر دے اضطرابِ دل مجھے
دیکھنا ہے قوتِ برہم کنِ محفل مجھے
وہ بھی کیا دن تھے کہ حاصل تھا سکونِ دل مجھے
کوئی بھی مشکل نظر آتی نہ تھی مشکل مجھے
گوشہ گوشہ بزمِ وحدت ذرہ ذرہ غرقِ نور
منزلِ مقصد نظر آتی ہے ہر منزل مجھے
حسن ہی خود کارفرما عشق کے پردے میں ہے
ورنہ یوں مجبور کر دیتا نہ میرا دل مجھے
اور ہی کچھ کہہ رہا ہے ان کا اندازِ نظر
دیکھ شرمندہ نہ کرنا اضطرابِ دل مجھے
المدد اے حسنِ کامل پھر نہ گم کر دے کہیں
یہ فریبِ آرزو رنگینیِ باطل مجھے
تیرا جلوہ یا فقط حسنِ تخیل ہے مرا
دیکھنا ہے آج اٹھا کر پردۂ محمل مجھے
کاش موجِ بحرِ غم اس طرح اٹھے جھوم کر
غرقِ یادِ یار کر دے اضطرابِ دل مجھے
دہر کی رنگینیاں میرے لئے بیکار ہیں
محوِ حسنِ غم ہوں کیا آرائشِ محفل مجھے
یاد آیا ہے کہ جب تھی میری ہستی بے نیاز
چاہیے اب جو کچھ بنا دے آرزوئے دل مجھے
ذوقِ خودداری کے قرباں جذبۂ دل کے نثار
ل ہی جائے گی کبھی آزادیِ کامل مجھے
میں جسے چاہوں سمجھے وہ مجھ سے بے پردہ کرے
صاف زحمت ہے طلسمِ ہستیِ باطل مجھے

۳۱ - سوز۔ میرٹھی

پھر پریشاں کر رہی ہے آرزوئے دل مجھے
پھر نظر آتا نہیں خنجر بکفِ قاتل مجھے
نیم باز آنکھوں کو ہے شاید کسی کا انتظار
نیند کیوں آتی نہیں اے اضطرابِ دل مجھے

کس قدر مشقِ تصور بڑھ گئی ہے عشق میں
گھر میں بیٹھے ہی نظر آنے لگی منزل مجھے
دیکھتا ہوں جب کسی کو میں لباسِ حسن میں
یاد آتا ہے فسانہ طور کا اے دل مجھے
کیوں بلاتے ہیں مجھے وہ محفلِ اغیار میں
کیا ستائیں گے وہی پھر قصدِ باطل سے مجھے
دیکھنا نیرنگیاں اس عشقِ بے ہنگام کی
ڈھونڈتا پھرتا ہوں میں منزل کو اور منزل مجھے
کیوں نہ بن جائے وہ میرے حق میں رشکِ آسماں
جاں سے پیاری ہے زمینِ کوچۂ قاتل مجھے
نام رہ جائے زمانہ میں تمھارے حسن کا
کاش نہ ڈوبے بحرِ الفت میں میرا دل مجھے
زندگیِ عشق کی اے شوق ناپائیدار ہے
ایک ہچکی نے اجل کی کر دیا غافل مجھے

۳۲ - سید مین پوری

ناز نے کشتہ کیا انداز نے بسمل مجھے
ہر ادا جاناں کی میرے ہو گئی قاتل مجھے
جس جگہ ذلت سے اٹھوایا سرِ محفل مجھے
پھر اسی جانب لئے جاتا ہے میرا دل مجھے
تھا وہی بتخانہ جس کو میں نے کعبہ کہہ دیا
کس قدر تیری محبت نے کیا غافل مجھے
کیسی فریاد و بکا اور نالہ و شیون کہاں
اب تو کچھ کرنے نہیں دیتا ہے دردِ دل مجھے
دیکھا جب چشمِ حقیقت سے تو راز افشا ہوا
یہ بڑی دنیا نظر آتی ہے اک منزل مجھے
پھر کسی کی یاد نے تڑپا دیا مانندِ برق
بیٹھے بیٹھے ہو گیا اضطرابِ دل مجھے
سینکڑوں ہی حسرتیں ہیں لاکھوں ہی ارماں ہیں
اور تیرے عشق میں کیا ہو گیا حاصل مجھے
یہ رسائی غیر ممکن کوچۂ دلدار تک
پھر کہاں کھینچے لیے جاتا ہے میرا دل مجھے
تیغِ ابرو تیرِ مژگاں زیبِ تن ہیں آپ کے
چاہو مجھ کو قتل کر دو یا کرو گھائل مجھے
کیوں لگاتے مجھ پہ ہو الزامِ الفت کیا خطا
سورۂ قرآں تو دیکھو پھر کرو قایل مجھے

کیا ٹھکانا ہے محبت کا کہاں کس جا نہیں   بحرِ الفت کا کہیں ملتا نہیں ساحل مجھے
بارِ عصیاں نے کیا ہے قلزمِ توبہ میں غرق   کیا گنہگاری سے میری ہو گیا حاصل مجھے
ہجر کی سختی سے گھبراؤں میں وہ عاشق نہیں   فضلِ خالق نے بنایا عاشقِ کامل مجھے
خود بخود جلتے ہوئے جائیں فدا کرتے ہوئے   چند پروانے نظر آئے سرِ محفل مجھے
جاں بچا کر ان بتوں سے حق پہ قرباں ہو گیا   یوں کہا کرتی ہے دنیا اسمٰعیل عاقل مجھے

۳۳۔ سیماب اکبرآبادی

نوٹ۔ حالات صفحہ ۱۵۰ پر ملاحظہ ہوں۔

آپ نے بھی کہہ دیا سودائیِ محفل مجھے   اب کہاں ہے ہمتِ عرضِ متاعِ دل مجھے
جب ازل میں دل ملا کونین کا حاصل مجھے   شور برپا ہو گیا اک دل مجھے اک دل مجھے
پھر سجائی ہے دلِ برباد کی محفل مجھے   ایک تصور چاہئے تصویر کے قابل مجھے
دے نہ دھوکے اب طلسمِ جلوۂ باطل مجھے   دور پہنچا دو رہے پہنچا مذاقِ دل مجھے
ہے پہونچنا جلوہ گاہِ ناز تک مشکل مجھے   ہر نظر ہے ایک جادہ۔ ہر قدم منزل مجھے
تھی مشیئت ہی علاقِ عشق ورنہ خلقتاً   آسماں کو داغ دل ملتا مہِ کامل مجھے
آنسوؤں میں جوشِ ہمدردی سی اک طوفان ہے   پھر ڈبونے آئے ہیں کیا مردمِ ساحل مجھے
نعشِ پروانہ جسے کہتے ہو میرا دل نہ ہو   دیکھ لینے دو ذرا خاکسترِ محفل مجھے
رقص فرماں ہیں ہزاروں طور لاکھوں تجلیات   کون لے آیا فریبِ جلوہ گاہ دل مجھے
تو خدا پر چھوڑ دے کشتی تو خود اے ناخدا   آ رہے لینے کے لئے طوفان تک ساحل مجھے
ہوش کی دنیا جہانِ خواب بن کر رہ گئی   اک نظر ہنستی ہوئی سی کر گئی غافل مجھے
بیخودی کچھ دے گئی ہے ان کے جلووں کا پتہ   آج خلوت میں الٹنا ہی نقابِ دل مجھے

پہلے وحدت میں تو سمجھے تھے ہر اک کی نسبت نہ تھی
شوقِ کثرت نے دیا زندانِ آب و گل مجھے

پھر تری محفل میں دورِ جام مجھ تک آ گیا
ہے ابھی تو اعتبارِ گردشِ محفل مجھے

اضطرابِ دل ہوا ہے سیماب کو ٹھیرا نہیں
کچھ سمجھ کر ہی دیا ہے اضطرابِ دل مجھے

۴۳۔ شاد۔ ڈاکٹر بینی سرن بین یوروی اسبنج بھوپال

خود بنا کر شوق کے ہاتھوں سراپا دل مجھے
چشمِ نامحرم نے آخر کر لیا حائل مجھے

اور کیا ہوگا عطا اس بیخودی دل سے مجھے
جو تجھے حاصل ہے وہ ابھی تو نہیں حاصل مجھے

ہے فریبِ چشم سے بڑھ کر فریبِ دل مجھے
میں ہی آتا ہوں نظر در پردۂ محمل مجھے

اے محبت اور کرنا تھا ابھی غافل مجھے
کچھ نہ کچھ باقی ہے احساسِ حق و باطل مجھے

کیوں ستانے آئی ہے خود بینی کامل مجھے
دل ہی آتا ہے نظر اب ماسوائے دل مجھے

یوں تو دنیا کی نظر میں عبرتِ محفل ہوں میں
تم اگر چاہو بنا دو رونقِ محفل مجھے

چھا گئی سارے زمانے پر نگاہِ بازگشت
اب کہاں لے جائے گی اے جستجوئے دل مجھے

دور رکھا ہے کسی نے یہ بھی لطفِ خاص ہے
چھوڑ دے میری جگہ اے رونقِ محفل مجھے

سننے والا کون ہے نغمہ کہیں سے چھیڑ لیں
سازِ دل تجھ کو بنایا ہے صدائے دل مجھے

میرے تیرے درمیاں یہ بھی تعین کیوں رہے
اب محبت بھی نظر آنے لگی فاصل مجھے

سیکڑوں بسمل تھے لیکن سچ بتا ضبطِ فغاں
مجھ میں کیا دیکھا کہ قاتل کہہ اٹھا قاتل مجھے

شاد ہوگا جس کو مشکل عشق کی آساں ہوئے
راہ اندر راہ تھی منزل بہ منزل مجھے

* * *

۳۵۔ شائق۔ فرخ آبادی

بھگوت نراین نام، نواب عرف، نواب بھگوت نراین مشہور، بابو روپ نراین صاحب ایم۔ اے ڈپٹی کلکٹر آنجہانی کے فرزند کایستھ اور فرخ آباد کے باشندے ہیں آپ مارچ سنہ ۱۸۹۷ء میں پیدا ہوئے دوازدہ سالگی میں باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا، دور اندیش اور زمانہ شناس دادی نے اپنے دامنِ عاطفت میں تربیت کیا۔ بارہ ہزار روپیہ کی رقم خود ڈپٹی صاحب آنجہانی کی رحلت پر بیمہ کمپنی سے ملی وہ زادِ تعلیم و پرورش بنی۔

اوائل عمر میں ۴ سال تک آپ کو فارسی پڑھائی گئی۔ پھر انگریزی مدرسہ میں داخل کرایا گیا۔ اقلیدس کی پیچیدگیوں نے برداشتہ خاطر کر دیا۔ اور نویں درجہ سے ترکِ تعلیم کیا۔ انگریزی کھیلوں میں ہمیشہ بہت دلچسپی لیتے رہے۔ اور شطرنج میں وہ کمال بہم پہونچایا کہ "فرخ آباد شطرنج ٹورنامنٹ" میں تمغہ اولین حاصل کیا۔

سنہ ۱۹۱۶ء میں فنِ موسیقی کے دوش بدوش شعر گوئی کا ذوق پیدا ہوا۔ اور بسم اللہ کر دی۔ سنہ ۱۹۱۷ء سے منشی کشوری لال صاحب قمر لکھنوی سے اصلاح لینا شروع کی۔ اور تکمیل فن کے لئے علم العروض والقوافی سے آگاہی حاصل کی۔

چند سال ہوئے آپ کے استاد نے اپنے تلامذہ کو دو مصرعے۔ مصرعے لگانے کے لئے دیئے۔ اور جب کوئی صاحب مصرعے نہ لگا سکے تو آپ سے ارشاد کیا۔ آپ نے ان مصرعوں پر فی البدیہ مصرعے لگا دیئے جو ذیل میں درج ہیں

عطا کردہ حضرت قمر

نظر آیا سکوں گاہِ زمیں قلبِ لرزاں میں — سنے جس وقت ہیبت ناک نالے تیرِ وحشی کے
چٹک جاتے ہیں پتھر قبر کے گورِ غریباں میں — یہ ہے تاثیر بعدِ دفن میرے سوزِ پنہاں میں

[illegible]

حضرت قمر نے آپ کو بہت داد دی اور دوسرے روز مشاعرہ فتحگڈھ میں اعلان کر دیا "میری عدم موجودگی میں دیگر تلامذہ شائق سے مشورہ لے لیا کریں" دنیائے شاعری کی رسم قدیم کے موافق بعض لوگوں کو یہ اعلان گراں گزرا آجکل شائق صاحب کو فن مصوری کے حصول کا بیحد شوق ہے اور ہمہ تن اسی کی تکمیل میں مصروف رہتے ہیں۔

غزل

تیغ قاتل نے شہیدوں میں کیا شامل مجھے — ہو گئی مٹ کر حیات جاوداں حاصل مجھے
ہر نگاہ ناز تیری کر گئی بسمل مجھے — اب نہ کر منت کش دست اجل قاتل مجھے
لے بتو عشق مجازی کی ہوئی یہ انتہا — جذبۂ عشق حقیقی ہو گیا حاصل مجھے
ناز سے کہتے ہیں وہ رکھکر مرے سینے پہ ہاتھ — اب دکھا اپنا تڑپنا اے دل بسمل مجھے
ناوک جاناں ہوئے کچھ اس طرح جزو بدن — اپنے سینے میں نظر آتے ہیں لاکھوں دل مجھے
دل سمجھتا تھا جسے میں اس نے کی پہلو تہی — جس کو میں دلدار سمجھا ہو گیا قاتل مجھے
زیر تربت بھی وہی بیتابیاں ہیں رات دن — چین سے سونے دے ابتو اے دل بسمل مجھے
کس پہ کس پہ خون کا دعویٰ کرونگا حشر میں — ہر ادائے دلنوازی ہو گئی قاتل مجھے
جس جگہ اس کا خیال آیا وہیں سجدہ کیا — ہر جگہ ذوق تصور میں ہوئی منزل مجھے
بحر غم میں کشتی دل غرق ہونے ہی کو تھی — لے گئیں موجیں بہا کر جانب ساحل مجھے

پی لیا جام شہادت پہلی منزل طے ہوئی   قبر کے اندر ملے گی دوسری منزل مجھے
کیا کرو گے میری ہستی کی حقیقت پوچھ کر   سمجھو اک تصویر سوز و آہ و آب و گل مجھے
میں تھکا ماندہ جو سستانے کو جا بیٹھا وہاں   آستانِ نازِ شائق ہو گیا منزل مجھے

۳۴ شبیر چھبراموی

غلام شبیر نام امیر وارث علی کے صاحبزادے سادات شیعہ اور خاندان اطبا چھبرامو ضلع فرخ آباد سے ہیں۔ طبابت شاعری اور علمی ذوق و دلچسپی میں آپ کا خاندان ہمیشہ سے اس نواح میں ممتاز رہا ہے آپ ہی کے مورث اعلیٰ کے کتب خانہ سے حالات حاصل کر کے تاریخ فرخ آباد" منجانب حکومت اردو اور انگریزی زبانوں میں شائع کی گئی ہے جس میں آپ کے خاندان کی بھی واقعی شمار و صفت موجود ہے۔

شبیر صاحب سنہ ۱۲۹۱ھ میں (جو آپ کی تاریخی نام "اصغر" سے مستخرج ہوتا ہے اپنے وطن مالوف میں پیدا ہوئے۔

آپ اردو مڈل کا امتحان پاس ہیں۔ آپ نے اوائل عمر ہی سے شاعری شروع کر دی تھی۔ جس میں آپ کو

اپنے عم بزرگوار مولوی سید محمد اسمٰعیل صاحب شبیبؔ کے اشعار ہیں۔ شبیبؔ کو بیدار
چھپراوی سے تلمذ حاصل ہے۔ تفننِ طبع میں شعر گوئی کرتے ہیں۔

غزل

بیخودی ہے۔ کچھ نہیں معلوم ہے منزل مجھے
جا رہا ہوں لے چلا ہے جس طرف کو دل مجھے
آئینہ پیشِ نظر ہے۔ یا الٰہی خیر ہو
اب نظر آتی ہے ہر اک بات پر مشکل مجھے
راہ کٹنے کو کٹی۔ لیکن عجب انداز ہے
خاک میں لائی ملا کر وہ سرِ منزل مجھے
غرق ہوتا ہے اگر ہو جائے کشتی عمر کی
آنکھیں دکھلاتا ہے کیا رہ رہ کے تو ساحل مجھے
خون کی دھاریں نکل کر دے رہی ہیں یہ صدا
او مرے قاتل میں صدقے چھوڑ مت بسمل مجھے
ذبح ہونے میں مزا گردن کٹانے میں ہے لطف
کیسے کیسے مشورے یہ دے رہا ہے دل مجھے
ہمنشینوں کے کلیجوں میں بھی دھکے لگ گئے
کر دیا بیتاب ایسا تو نے شورِ دل مجھے
دیکھتے ہی دیکھتے وعدے تمہارے رہ گئے
واہ وا کس شان سے تو نے کیا بسمل مجھے
ہاتھ دکھلا کر انھوں نے قتل کر ڈالا مجھے
ہو گیا خنجر بھی نشتر جو کفِ قاتل مجھے
نقشِ پائے ضعف ہوں کیا مرا کوچ و مقام
تھک کے رہ جاؤں جہاں پر ہے وہی منزل مجھے
ایک ہو اس کو کہوں یاں دل کے لینے کیلئے
ہر ادائے دلنوازی ہو گئی قاتل مجھے
جان بچ جائے اگر شبیبؔ ہے شکرِ خدا
ہر ادائے دلنوازی ہو گئی قاتل مجھے

۳۷۔ شبیر فتحگڈھی

شبیر احمد نام، (بابو غفور علی کے صاحبزادے اور متوطن فتحگڈھ ہیں۔

شبیر صاحب سنہ ۱۹۱۶ء میں بمقام فتحگڈھ پیدا ہوئے فرخ آباد میں انٹرنس تک تعلیم پائی اور ہر امتحان میں اول نمبر پر کامیاب ہوئے اب علیگڈھ کالج میں تعلیم پا رہے ہیں۔ بہت ہی ذہین، طباع، اور روشن دماغ نوجوان ہیں۔

فرخ آباد میں حفیظ مجیبی ایڈیٹر "مجیب" فرخ آباد اور محمود علی خاں سابق صدر بلدیہ فرخ آباد کی ادبی صحبتوں اور شاعرانہ مجلسوں کی مسلسل شرکت نے مذاق شاعری پیدا کیا۔ اور کمسنی ہی سے اشعار موزوں کرنے لگے۔

(ماخوذ از حالات نوشتہ قمر بدایونی)

غزل

حشر کا میداں ہے بخشیں سکونِ دل مجھے
وہ تری نظریں جنھوں نے کر دیا بسمل مجھے
راہ پر لے تو چلا تھا جذبۂ کامل مجھے
شوقِ منزل نے کیا آوارۂ منزل مجھے
اور بھی ہونا پڑا وارفتۂ منزل مجھے
پیار کی نظروں سے دیکھا تو نے جب قاتل مجھے
میں شہیدِ جستجو ہوں مجھ کو کیا منزل سے کام
ڈھونڈتی پھرتی ہے فرطِ شوق میں منزل مجھے
میری بیتابی نہ تھی کیا لائقِ تعزیرِ قتل
کیوں مرے قاتل نے سمجھا رحم کے قابل مجھے
تیرا ہر جلوہ ہے اک نظارۂ حیرت فروش
درس از خود رفتگی دینے لگا ہے دل مجھے
خاکِ مقتل آئینہ ہے میرے جذبِ شوق کا
ذرہ ذرہ میں نظر آتا ہے اب قاتل مجھے

(۳۸) - شمیم اطائی جلیسری

معین احمد نام، منشی احمد لطف اللہ کے صاحبزادے متوطن جلیسر ضلع ایٹہ ہیں
شمیم صاحب تخلص ہے۔ سنہ ۱۹۰۶ء میں بمقام ایٹہ (جہاں آپ کے والد بسلسلہ ملازمت
مقیم تھے) پیدا ہوئے۔ ۴ سال کی عمر سے مکتب میں اردو و فارسی کی تعلیم پائی۔
[illegible] تک مدرسہ میں تعلیم پاتے رہے۔ کچھ انگریزی بھی پڑھی ہے۔ اب عدالت دیوانی
ایٹہ میں ملازم ہیں۔

دورانِ تعلیم جلیسر کے مشاعروں کی شرکت نے جو تقریباً ہوتی تھی۔ جذبۂ
شاعری پیدا کیا۔ رفتہ رفتہ غزل کہنے لگے اور حضرت اختر فیروزآبادی کا تلمذ اختیار
کر لیا۔ اپنے کلام کا ایک مختصر مجموعہ بنام "گلہائے شمیم" خود مرتب کر کے شائع
کیا ہے۔ ایٹہ کے مشاعروں کی روح رواں ہیں۔

غزل

ایک یہی ہے نزع میں رسوائیِ قاتل مجھے — اب تو مرنا بھی نظر آنے لگا مشکل مجھے
دیکھتے ہی تجھ کو یہ کیا ہو گیا قاتل مجھے — دل کو میں روتا ہوں اور روتا ہے میرا دل مجھے
بنتے بنتے صورتِ تصویر رہ گئیں بیتابیاں — ہوتے ہوتے ہو گیا حاصل سکونِ دل مجھے
جنتی جنت کو جنت جنتی کو چاہئے — میں تری محفل کو اور چاہے تری محفل مجھے
[illegible] تھا ترا شوقِ ستم — ورنہ مرنا جدائی میں نہ تھا مشکل مجھے
[illegible] میں ذلیل و خوار ہوں — یا سمجھتے تھے فرشتے رونقِ محفل مجھے

یہ مری وقت پسندی ہے کہ قسمت کا لکھا
تھا جو آساں کام وہ بھی ہو گیا مشکل مجھے

ایک ہی زنجیر میں جکڑے ہوئے ہیں حسن و عشق
ان کو کرتے ہیں عدو بدنام میرا دل مجھے

اب کہاں سے لاؤں وہ دامنِ خوں آلودہ تیغ
بھولا جاتا ہے سرِ محشر مرا قاتل مجھے

طے ہوئیں کن مشکلوں سے زندگی کی منزلیں
ہر قدم پر سامنے تھی اک نئی منزل مجھے

غیر ممکن ہے رفوگر زخمِ الفت کا علاج
نار قوٹے کی یہ تیری سعی لاحاصل مجھے

سوئے تربت کو واپس جا رہے ہیں اقربا
قافلہ لٹتا ہے پہنچا کر سرِ منزل مجھے

تیغ ہے کچھ تیر ترکش میں ستم ایجاد کے
کوئی ایسے میں بتا جائے سراپا دل مجھے

اب تھپیڑوں سے ہوا ہے سفینہ پاش پاش
یہ بھنور ہی اب کوئی دم میں بنا ساحل مجھے

سوزِ الفت کو دوا سے غرض کیا اے شمیم
ہر دوا معلوم ہوتی ہے سمِ قاتل مجھے

۳۹۔ شمیم گوروی (شیر سنگھ مقام گوری ڈاکخانہ گوسہا گنج ضلع فرخ آباد)

مل گیا غفلت میں اب تو رہبر کامل مجھے
بیخودی کی منزلوں میں کر گیا داخل مجھے

ہو گیا دشوار اتنا جاننا میرے لئے
کون ہے ناوک فگن کس نے کیا گھائل مجھے

یا خدا کم کر دے بحرِ غم کی یہ طغیانیاں
فضل سے اپنے تسلی کا دکھا ساحل مجھے

رکنے دیتا ہی نہیں جو دشتِ وحشت میں قدم
کوئی منزل ہے تری یہ تو بتا دے دل مجھے

ہو رہا ہوں فرطِ غم سے آج کل اتنا ضعیف
دو قدم چلنا سنبھلنا ہو گیا مشکل مجھے

رنج سے اس کی ہوں غمگیں اور خوشی میں شادماں
دل کی ہر حالت میں یارو جانئے شامل مجھے

لطفِ جاناں بھی ستم سے کم نہیں ہرگز شمیم
ہر ادائے دلنوازی ہو گئی قاتل مجھے

۴۰ ۔ شیدا فرخ آبادی (بچولال) مدیر معاون مشاعرہ فرخ آباد

اب بتاتے کوئی گم کردہ منزل مجھے — جذبِ دل سا مل گیا ہے رہبرِ کامل مجھے
پھر اُسی محفل کی جانب لیچلا ہے دل مجھے — ہر ادائے دلنوازی تھی جہاں قاتل مجھے
بحرِ غم سے پار ہو جاؤں تو دیکھا جائیگا — درسِ بیتابی نہ دے موجِ لبِ ساحل مجھے
جلوۂ جاناں سے جب مجھ پر غشی طاری ہوئی — ہوش میں لائی ادائے خنجرِ قاتل مجھے
وہ اُلٹتے ہیں سرِ بزم اپنے چہرے سے نقاب — اُٹھتے آتے ہیں نظر سب پردہ ہائے دل مجھے
کیجئے ان کے تصور سے کہاں تک ساز باز — دی ہی قسام ازل نے فکرِ لاحاصل مجھے
اپنی لیلیٰ کے لئے کچھ اس طرح میں مر مٹا — ذرہ ذرہ خاکِ دل کا ہو گیا محمل مجھے
آرزوئے دید نے ڈالا امید و بیم میں — زندگی کا ذکر کیا مرنا ہوا مشکل مجھے
کاتبِ قسمت کو شاید دیکھنا تھی چھیڑ چھاڑ — حسنِ صورت ان کو بخشا اور دردِ دل مجھے
کیوں کفِ افسوس ملتے ہو جفا کرنے کے بعد — یہ خطا کس کی تھی جو سمجھا اُسی قابل مجھے
الفتِ گیسو میں شیدؔا وہ پریشانی ہوئی — کارِ آساں بھی نظر آتا ہے اب مشکل مجھے

۴۱ ۔ صبا ۔ اکبرآبادی

(خواجہ) محمد امیر نام، ڈاکٹر (خواجہ) علی محمد کے صاحبزادے اور متوطن آگرہ ہیں آپ کے جدِ امجد (خواجہ) جانعالم مرحوم عہد اورنگ زیب میں عراق عرب سے ہندوستان تشریف لاکر متوسلین دولت مغلیہ کے زمرے میں شامل ہوئے سپاہی پیشہ اور کمانداری کے منصب پر فائز تھے۔ سرکار شاہی سے صد خدمات

میں جاگیر پائی تھی۔

صبا صاحب ۱۴ اگست ۱۹۰۸ء میں بمقام اکبرآباد (آگرہ) پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم پانے اور کچھ عربی و فارسی تحصیل کرنے کے بعد چند سال کے لئے مشغلۂ حصول علم کو ترک کیا اور ۱۹۲۷ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے انٹرنس پاس کر کے وہیں ایف۔ اے تک تعلیم پائی۔ اب آگرہ کے ایک ادبی رسالہ "آزاد" کی ادارت اور انجمن شباب اردو آگرہ کی اعزازی نظامت کے فرائض انجام دیتے ہوئے دیوان غالب کی تضمین میں مصروف ہیں۔ ۱؎

۱۹۲۱ء میں ارض تاج کی ادبی فضا نے ذوق شاعری پیدا کیا۔ ابتداءً غیور تخلص تھا۔ ۱۹۲۲ء میں حضرت اخضر اکبرآبادی (مالک کے۔ ڈی اینڈ کو رئیس و میونسپل کمشنر آگرہ) سے شرف تلمذ حاصل کرتے ہوئے تخلص تبدیل کر دیا۔ ہر صنف نظم میں مہارت ہے۔ مگر غزل گوئی علی الخصوص مرغوب طبع ہے۔

مولانا کشتہ قادری راوی ہیں " صبا صاحب بھی شبابیات ساغر نظامی کی طرح رباعیات کے ایک معقول مجموعہ کے مصنف ہیں

۱؎ حسب روایت مولانا کشتہ قادری "

غزل

یاس نے کیا کیا دکھائے جلوۂ باطل مجھے　　ڈوبنے کے وقت ہر اک موج تھی ساحل مجھے
میں بھی نازاں ہوں کہ سمجھا تو کسی قابل مجھے　　مطمئن ہے حسن دیکر اضطراب دل مجھے
کچھ نظر آتا نہیں انجام کارِ دل مجھے　　کوئی سمجھائے مری الفت کا مستقبل مجھے

مہربانی کی نظر کیا ستم کی تخصیص نہ تھا
میں اسی قابل ہوں سمجھیں آپ جس قابل مجھے
دیکھنے دیتا ہے میری امیدوں کا جنوں
کس کے قدموں کی ہوئی آہٹ قریبِ دل مجھے
میری خود رفتگی کا کس پہ الزام آئے گا
مسکرا کر تم نے کیوں دیکھا سرِ محفل مجھے
اک [illegible] ہو گیا ہے میری ہستی کا سفر
چل بسا ہوں اور نہیں معلوم ہے منزل مجھے
بات ہی جا کر جگر کے زخم تازہ ہو گئے
تھی چٹک کلیوں کی اعلانِ شکستِ دل مجھے
عشق میں تیور مری نظروں کے اسد غنی
حسن والے عمر بھر سمجھا کئے سائل مجھے
باریابی کے لئے تھا جس بزم میں کون نہیں
پھر وہیں لے کر چلی میری ہوائے دل مجھے

۴۴۔ طیش مارہروی

جان جانے کا نہیں غم غم یہی ہے دل مجھے
اب نہ بھولے گا حشر تک لطفِ دستِ قاتل مجھے
یہ کرم مجھ پر کہ دوزخ میں کیا داخل مجھے
تو نے سمجھا تو کسی لائق کسی قابل مجھے
کیا کہوں گا دیکھئے دیکھے گا جب قاتل مجھے
غم نے چھوڑا ہے کسی لائق کسی قابل مجھے
آتشِ سوزِ دروں بھڑکی ہے تو بھڑکے کچھ اور
جھونکنا ہے آج جلتی آگ میں دل مجھے
[illegible] بلائے کیں اب آ کر اسد
یاد کرتا ہے زمیں پر کوچۂ قاتل مجھے
اُف وہ پچھلی سرگزشتیں ہائے وہ آغازِ عشق
دل کو میں روتا ہوں برسوں اور برسوں دل مجھے
رات بھر میں آ گئے سب اک اک کر کے کیسا
صبح کو بکھرے ملے کچھ پارہ ہائے دل مجھے
کھل گئی لو نیچی نظروں کی شرارت کھل گئی
مل گیا لو ان تری چتونوں میں دل مجھے
پھر سنبھل کر اے زبان تصویرِ حیرت کھینچ دے
پھر وہ کہتے ہیں سنا دے داستانِ دل مجھے
مجھ سے قابل ہو کے خوش خوش بیٹھے ہیں کس شان سے
حضرتِ ناصح نے گویا کر دیا قابل مجھے

مفت بھر وہ بھی ہزار احسان و منت سے پر خوش
تجھ سے سودا کیا ہے کس کا ان اٹھائے دل سے مجھے
عشق کی رنگینیوں کا جبر تو دیکھے کوئی
اک لہو کی بوند کو کہنا پڑا ہے دل سے مجھے
رات بھر میں کیا خبر آہوں سے کتنے اڑ گئے
صبح کو بکھرے ملے کچھ پارہ ہا دل سے مجھے
عشق کا گھر یہ سجا دیں گے بہت اچھی طرح
ایک حسرت رہ گئی ہے فقط نکلا دل سے مجھے
آخری منزل میں الفت کی قدم رکھتے ہی شیخ
چھوڑ دونگا دل کو یا پھر چھوڑ دیگا دل مجھے

۴۴ - ظفر بدایونی

محمد ظفر احمد نام اور بدایوں کے شیوخ صدیقی سے ہیں۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت ابا بکر صدیقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک منتہی ہوتا ہے۔

آپ ۱۹۱۲ء میں بمقام بدایوں پیدا ہوئے اور اردو فارسی درسیات کی تحصیل سے فراغ پا کے اور اسکولی مدارج و مراحل طے کرنے کے بعد مسلم یونیورسٹی کالج علی گڑھ میں زیر تعلیم اور کالج میگزین کے حصہ اردو کے سکریٹری ہیں۔

اپنے خاندان کے علمی مشاغل کی مصروفیت اور خود طبعی مناسبت کی بنا پر سات آٹھ سال سے شاعری کا شوق پیدا ہوا ہے۔ حضرت رضی بدایونی سے نسبت تلمذ حاصل ہے۔ گذشتہ سے پیوستہ سال انجمن ادب اردو کی جانب سے ایک انتخابی نظم کی تصنیف پر تمغہ حاصل کر چکے ہیں۔

غزل

اضطرابِ زندگی سے ہو سکوں حاصل مجھے
ڈوبنے والے قریب سمت ساحل مجھے

کام منزل سے نہ کچھ راہِ منزل سے مجھے
لے چلا ہے ایک ذوقِ سعیِ لاحاصل مجھے
میں فدائے جلوۂ معنی وہ صورت آشنا
شیخ کو کعبہ مبارک ہو حریمِ دل مجھے
شرحِ صد افسانۂ غم ہے میری زندگی
ہر نفس ہے نالۂ سازِ شکستِ دل مجھے
اب یہ عالم ہے کہ شاید دیکھ فریبِ لطفِ یار
میں شبِ غم دل کو تسکیں دیتا ہوں اب مجھے
اب نہیں خارِ تمنا کی وہ پہلی سی خلش
یاس نے کر دی ظفرؔ آسان ہر مشکل مجھے

۴۴ ۔ ظہیرؔ علوی (مدیر مشاعرہ فرخ آباد)

ظہیر الدین احمد نام، سید زین العابدین صاحب کے صاحبزادے، علوی سادات اعظم گڑھ سے ہیں۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں بمقام تیگو پیدا ہوئے اور چونکہ آپ کے والد ماجد نے بسلسلۂ ملازمت فتحگڈھ میں طرح سکونت ڈالدی تھی۔ اس لئے طالب علمی کا زمانہ وہیں گزرا۔ اور انٹرنس تک تعلیم ختم کرنے کے بعد سنہ ۱۹۱۸ء سے سنہ ۱۹۲۶ء تک مسلم یونیورسٹی میں تعلیم پاتے رہے۔ بی۔ اے۔ ایم۔ اے اور ایل۔ ایل۔ بی وہاں سے پاس کرکے فتحگڈھ میں وکالت شروع کی۔ اور سنہ ۱۹۲۹ء میں مین پوری منتقل ہو آئے۔ اور پریکٹس کر رہے ہیں جمعیۃ تنظیم مین پوری کے رضاکاروں کے سالار اعظم ہیں۔ اور رسالہ مشاعرہ فرخ آباد کے مدیر اعلیٰ۔

فارسی کی تعلیم ابتدائی عمر میں خانگی طور پر پائی تھی۔ اور اس قدر مناسبت اس زبان سے ہو گئی تھی کہ ایم۔ اے آپ نے فارسی ہی لے کر کیا۔ فارسی کے جذبات کالج کی ادبی فضا اور بکثرت مطالعہ کلام متقدمین، متوسطین و متاخرین شعرائے

اردو نے کالج کی زندگی میں داخل ہوتے ہی مائل شعریت کر دیا تھا۔ اور گاہے ماہے دو چار شعر کہہ لیا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ پوری پوری غزلیں تصنیف کرنے لگے۔ مطالعہ کے زور اور طبع نکتہ چیں کے شعور سے خود ہی نگاہ تنقید ڈالتے اور اپنی اصلاح اپنے آپ کرتے رہے باقاعدہ تلمذ کسی سے حاصل نہیں کیا۔ ہاں جس پر اعتماد ہوا اس سے حسن و قبح کے متعلق مشورہ کر کے بہ نفس نفیس درستی کلام کرتے رہے۔ نظمیں بھی بہت ہی پاکیزہ لکھ لیتے ہیں بحیثیت نثار کے بھی ایک ممتاز ہستی ہیں۔ قومی مشاغل اور پیشہ کی مصروفیتوں کی بنا پر نظم و نثر کی جانب ہمہ وجوہ مصروف نہیں۔ شاعری صرف مشاعروں اور نثاری محض احباب و ارباب رسائل کی اٹل فرمائشات تک محدود ہے۔

ایک سلیم الطبع، خوش مزاج، سنجیدہ، خلیق، متواضع، ہمدرد ملک و ملت اور صالح نوجوان ہیں۔ یہی پوری ہیں جن [illegible] کے دم سے جسد شعر و سخن میں روح تازہ پھونکتی رہتی ہے ان میں امتیاز نام رکھتے ہیں۔

(ازگشتہ قادری)

غزل

عشق میں کیوں کر سکون قلب ہو حاصل مجھے
اب تو مشکل بھی نظر آتی نہیں مشکل مجھے
شوق دیوانہ ہے دھوکے دے رہا ہے دل مجھے
اب سر منزل نظر آتی نہیں منزل مجھے
کچھ ازل ہی سے نہ سمجھا رحم کے قابل مجھے
دینے والے نے دیا ہی حشر ساماں دل مجھے
فکر منزل نے کیا آوارۂ منزل مجھے
اب خدا جانے کہاں لیجا رہا ہے دل مجھے

آنکھوں کا سرمہ بنی ہے جب تیری خاکِ پا
اک حیاتِ مستقل کا لطف ہو حاصل مجھے

ہجر کی شب اور کیا ہو اس سے اچھا مشغلہ
دل کو میں سمجھا رہا ہوں اور میرا دل مجھے

بحرِ غم میں غرق ہو کر اک حیاتِ نو ملی
اب نظر آنے لگا ہر موج میں ساحل مجھے

جادۂ مقصد سے گھبرا کر نکل آیا کہاں
کر دیا ہے شوق نے وارفتۂ منزل مجھے

قبر میں باقی ہے کچھ کچھ وعدۂ محشر کی یاد
موت نے بخشا ہے اتنا تو سکونِ دل مجھے

اشک ریزاں دیکھ کر خاکسترِ پروانہ پر
دیکھتی ہے غور سے شمعِ سرِ محفل مجھے

وہ تری مخمور آنکھیں وہ ترا جوشِ شباب
یاد ہے اب تک تری رنگینیِ محفل مجھے

جانتا ہوں میں کہ موت آئیگی تمام غم ہو آج
کس لئے تسکین دینا چاہتا ہے دل مجھے

ہم نے بے پردہ جسے روزِ ازل دیکھا تھا
وہ نظر آتا ہے اب زیرِ نقابِ دل مجھے

۴۵ - عاجزؔ عطائی پوری

احمد دراز خاں نام، بخت بلند خاں کے صاحبزادے متوطن عطائی پور (فرخ آباد) ہیں عاجز صاحب ۱۹۰۳ء میں اپنے وطن میں پیدا ہوئے۔ پانچ سال کی عمر سے پڑھنا شروع کیا۔ اور پرایمری اسکول عطائی پور میں داخل ہوئے۔ کچھ دن اسکول کی تعلیم ترک کر کے خانگی طور پر عربی و فارسی کی تحصیل کی۔ اسی دوران میں آپ کے والد ماجد نے سفرِ آخرت اختیار فرمایا اور فکرِ معاش نے قطعی ترکِ تعلیم پر مجبور کر دیا۔ بہر حال اپنے طور پر کتب بینی کر کے خاصی معلومات بہم پہنچائی ہے۔ آپ کو اوائل عمر ہی سے شعر و شاعری کا چسکا پڑ گیا تھا۔ ابتداءً جو کچھ کیا۔ ضائع کیا۔ ۱۳۴۴ھ سے باقاعدہ شاعری کی بنیاد پڑی اور حضرت نوح ناروی

سے تلمذ اختیار کیا۔ اصنافِ سخن پر قادر ہیں مگر عام طور پر نیچرل نظمیں اور دل کے درد قومی سے پر ہونے کے باعث خاص طور پر قومی نظمیں خوب تصنیف کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں تین رسالہ جات رفیقِ عالم۔ فروغِ مشرق۔ اور فانوسِ مشرق آپ کی یادگار ہیں۔ صاحبِ دیوان ہیں۔ "چمنستان" آپ کے مجموعۂ کلام کا انتخاب ہے جو شائع ہو چکا ہے۔ "چراغِ محفل" اصل دیوان اور دو ہزار سے زیادہ اشعار پر حاوی ہے۔ اس کی طباعت و اشاعت بوجہ قصرِ وقت ہے۔ نثر نگاری کا خاص مذاق رکھتے ہیں۔ اور "سوانح شیخ مجھو" نامی فسانہ تصنیف کر کے شائع کر چکے ہیں۔ بقول خود "جو کچھ لکھتے ہیں۔ اچھا اور بہت اچھا ہوتا ہے۔"

غزل

جانِ دلبر عشق کا جب سے ہوا حاصل مجھے
کیا کہے گا بیوفا اب بھی تمہارا دل مجھے
ناز سے زخمی کیا۔ انداز سے بسمل مجھے
میرے قاتل کی ادائیں ہو گئیں قاتل مجھے
موت اگر آسانیاں پیدا کرے اے ذوقِ شوق
نہ ہو معلوم مشکل کوئی بھی مشکل مجھے
مر رہا ہوں فرطِ غم سے اور مر سکتا نہیں
عشق میں کیا لطف ہے یہ لطف ہے حاصل مجھے
ہمنشیں کعبہ کو جاؤں کس لئے بہرِ طواف
کیا عبادت کو نہیں میرا حریمِ دل مجھے
میں پہونچ جاؤں گا اک دن منزلِ مقصود تک
شوق سے آنکھیں دکھائے دوریِ منزل مجھے
چاہتا ہوں میں نہ جاؤں کوچۂ دلدار میں
چین بھی لینے دے لیکن اضطرابِ دل مجھے
ہاں لگا دے اور بھی تیغِ ادا کا ایک وار
نیم بسمل کر کے تڑپاتا ہے کیوں قاتل مجھے

یاالٰہی ہو برا میرے دلِ بیتاب کا اس نے شرمندہ کیا ان سے سرِ محفل مجھے
غرق ہو جاؤں نہیں لے ناخدائے بحرِ عشق کھینچ کر موجوں سے پہنچا دے سرِ ساحل مجھے
حیف وہ تیغِ ادا سے کرکے زخمی چل دیا بھولنے ہی کی نہیں بے مہری قاتل مجھے
بخت دشمن۔ آسماں برگشتہ۔ عالم برخلاف کوئے قاتل میں نظر آتے ہیں سب قاتل مجھے
مثلِ مجنوں پھر رہا ہوں دشتِ ذوق و شوق میں کیا عجب مل جائے کوئی لیلیٰ محمل مجھے
جان تک میں نذر کرنے کے لئے تیار ہوں آپ سے بڑھ کر نہیں پیارا یہ میرا دل مجھے
کیوں نہ عاجزؔ ہر زمینِ سخت کو پانی کروں فکرِ کامل ہو گئی دریائے بے ساحل مجھے

۴۶۔ عاشق ڈبائیوی

عاشق علی نام، ڈاکٹر ولایت علی صاحب مرحوم فوجی پنشنر کے صاحبزادے صدیقی شیخ، ڈبائی (ضلع بدایوں) کے باشندے اور وہاں کے رئیس زمیندار ہیں آپ ۱۸۹۵ء میں بمقام ڈبائی پیدا ہوئے۔ شاعری کا شوق بچپن ہی سے تھا ۱۹۱۲ء میں مولانا محمد اسماعیل صاحب ذبیحؔ سے شرفِ تلمذ حاصل کیا اور آپ ہی سے علوم متعارفہ و فنون ادبیہ کو پایہ تکمیل تک پہونچایا۔ ۱۹۲۵ء میں "دوست کا ڈاکو" نامی ناول تصنیف کیا جو خیال آفرینی، پروازِ تخیل اور نثر نگاری کی سند ہے۔ مشاعرہ ڈبائی میں جناب قاضی مرتضیٰ حسن صاحب رئیس ڈبائی نے آپ کو شستگی و خوبی کلام کے صلہ میں ایک تمغہ بھی عطا کیا تھا۔

* * *

غزل

رہ گذارِ عشق ہے خود رہبرِ منزل مجھے
محو کر دیتی ہے آسانی سے ہر مشکل مجھے

لے نہ جا مرکز کی جانب سعی لاحاصل مجھے
پھر ہوئی جاتی ہے ہر منزل میں منزل مجھے

ارتقائے زندگی جب ہو گئی حاصل مجھے
موت بھی پھر تو نہ تھی کچھ موت کے قابل مجھے

چھیڑتا ہے پھر مذاقِ درد و سوزِ دل مجھے
کھینچ پھر لائے فطرتِ تنظیمِ آب و گل مجھے

جب میں چاہوں جذب کر لوں تجلیوں کو طور کی
وصلِ عریاں کے مزے برسوں سے ہیں حاصل مجھے

بیخودیِ عشق میں اتنا مجھے بھی یاد ہے
اک جھلک سی تھی کہ جس نے کر دیا غافل مجھے

ان سے وعدے کر کے آیا تھا جو بزمِ ناز میں
ہو گئے منجملۂ افسانۂ باطل مجھے

آج محشر میں کہاں ہے وہ نگاہِ التفات
چن لیا تھا جس نے کل تقصیر کے قابل مجھے

ہر رگ و ریشہ میں لہراتی ہے برقِ اضطراب
شوق نے تیرے بنایا ہے سراپا دل مجھے

کب ابھر سکتا ہوں میں طوفانِ بحرِ عشق سے
موجِ دریا بن گیا ہے خود لبِ ساحل مجھے

منحصر دعوے پہ میرے حشر کی تمہید تھی
کر دیا چپ ان کی حیرت نے سرِ محفل مجھے

دیکھ لے نا آشنائے رسمِ الفت اب تو دیکھ
صد بلائے جاں ہوئی ہے ہستیِ باطل مجھے

پھنک رہا ہوں میں تو عاشق ضبطِ سوزِ عشق سے
وہ سمجھتے ہیں چراغِ کشتۂ محفل مجھے

۴۷۔ عاصی۔ الہ آبادی

محمد عبد الباری نام، سید عبد الحی جعفری زینبی کے صاحبزادے، متوطن ھنگاؤں۔ پرگنہ چایل ضلع الہ آباد ہیں۔

عاصی صاحب ۹؍ اپریل ۱۹۰۰ء پیدا ہوئے۔ ۱۹۰۷ء سے ۱۹۱۴ء تک قرآن مجید اردو، ابتدائی کی باضابطہ تکمیل خواندگی کی۔ ۱۹۱۹ء میں مشن اسکول الہ آباد سے فرسٹ ڈویژن میں انٹرنس پاس کر کے علیگڑھ کالج میں داخل ہو گئے۔ دوسرے سال متاہل زندگی کی مالی دشواریوں کی وجہ سے مجبوراً سلسلۂ تعلیم منقطع کر کے گورنمنٹ ہائی اسکول ہمیرپور میں عارضی طور پر ٹیچر ہو گئے۔ جہاں سال کے آخر میں مسلم یونیورسٹی سے انٹرمیڈیٹ پاس کیا۔ مسلم یونیورسٹی میں ان سے پیشتر کسی نے بھی کوئی امتحان نہیں پاس کیا تھا دوسرے سال ٹریننگ کالج آگرہ میں داخل ہوئے۔ امتحان میں تمام صوبہ میں اول آئے۔ اور جولائی ۱۹۲۳ء میں حلیم مسلم ہائی اسکول کانپور نے بمشاہرہ یک صد روپیہ ماہانہ ان کی خدمات حاصل کر لیں۔ وہاں لائبریرین کے فرائض بھی انجام دیتے رہے ۲۸ء میں آگرہ یونیورسٹی سے پرائیویٹ طور پر بی۔ اے کی ڈگری بھی حاصل کی۔ اور کانپور سے مستعفی ہو کر ایل۔ ٹی۔ کالج الہ آباد میں نام لکھایا لیکن والدین کے اصرار اور سید الطاف حسین صاحب ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ کی محبت نے اسلامیہ اسکول اٹاوہ میں آنے پر مجبور کیا۔ جہاں اس وقت تک پڑھا رہے ہیں

ابتدائی سن شعور سے آپ کو شاعروں کا کلام پڑھنے، سننے، جمع کرنے، اور یاد رکھنے کا شوق تھا چنانچہ اب بھی اس زمانے کے یاد کئے ہوئے ہزارہا اشعار دماغ میں محفوظ ہیں۔ الہ آباد کی تعلیم کے دوران میں مولانا سید اطہر حسین صاحب جعفری، ادیب کامل، اور ماسٹر عابد مسیح صاحب عابدی بی۔ اے کی ہمت افزا اصلاح نے آپ کو شاعر بنا دیا حلقۂ احباب میں شاعر مشہور ہونے کے بعد

مقامی مشاعروں اور ادبی جلسوں میں شرکت ناگزیر ٹھہری۔ ذہن کی رسائی طبیعت کی موزونی، جو اس نو مشقی کے دور میں بھی موجود تھی۔ علی گڑھ میں مشقِ سخن جاری رکھنا ضروری تھا۔ افسوس وہاں قیام کا کم موقع ملا مگر ہمیر پور اور آگرہ کالج میں گاہے ماہے حسبِ ضرورت اس طرف توجہ کرتے رہے لیکن غزل گوئی سے دل سیر ہو چکا تھا۔ اس لئے دقیق نظری، اور تاریخی، علمی فلسفیانہ موشگافیوں سے اپنے جذبہ شاعری کو نمایاں کرتے رہے۔ رفتار زمانہ سے متاثر ہو کر قومی و سیاسی مطالبات پر اظہار خیال کرتے رہے۔ کانپور آئے تو حضرت احسن مجتبیٰ مرحوم کے حلقۂ ادب کے رکن بنے۔ اور ان کے فیضِ صحبت سے پھر تغزل کی طرف رجحان ہوا۔ مرحوم ادیب اور شاعر ہی نہ تھے۔ بہترین ادب آموز، نقادِ فن، اور ادیب گر تھے۔ پانچ سال تک آپ کو بھی اس شاعرِ یگانہ، مدیرِ زمانہ کے تلمذ کا شرف حاصل رہا۔ اس زمانہ میں مولانا حامد حسن صاحب قادری بچھرایونی سے بھی استفادہ کا موقع ملا۔ جو ملک کے مشہور انشا پرداز، مترجم اور شاعر ہیں۔ اور آج کل آگرہ میں اردو ادب کے پروفیسر ہیں۔

غزل

حسن کی نیرنگیوں نے کر لیا مائل مجھے
اب تو جنت ہو گئی دنیائے آب و گل مجھے

عقل کرتی ہے اسیرِ فکرِ مستقبل مجھے
زندگانی ہو نہ جائے سعیِ لاحاصل مجھے

ہاں نہ چھیڑ اے امتیازِ ناقص کامل مجھے
بے حسی نے اب نہیں رکھا کسی قابل مجھے

عرصۂ محشر میں ہے کچھ بزمِ جاناں کی جھلک
مل گئی بعد فنا کھوئی ہوئی منزل مجھے

مجھ کو طوفاں لے رہا تھا حلقۂ آغوش میں
کیوں کیا اے ناخدا شرمندۂ ساحل مجھے
جب یہی قانونِ فطرت ہے یہی رازِ ازل
چھوٹنے سے پھر دو گھڑی کو بیٹھنے دے دل مجھے
بے نیازِ خضر یعنی بے خودی سے ہو گیا
کھینچتی ہے خود بخود کس شوق سے منزل مجھے
تیرے قرباں اے سوادِ شامِ غربت کی فضا
یاد بھی صبحِ وطن کی ہو گئی مشکل مجھے
بے نیازی کو تری شاید یہی منظور ہے
حشر میں کرنا پڑے اظہارِ دردِ دل مجھے
اے دلِ درد آشنا اے اضطرابِ مستقل
تیرے ہاتھوں لطفِ ہستی ہو گیا حاصل مجھے
مجھ کو اے عاصی ندامت ہو گئی وجہِ نجات
ڈوبتے ہی ڈوبتے ہاتھ آ گیا ساحل مجھے

۴۸- عاجز مین پوروی (عبدالغنی خاں)

ہو گئی آسان پھر تو میری ہر مشکل مجھے
بن گئی جب میری منزل رہبرِ منزل مجھے
شکوۂ خنجر نہ کچھ ہے شکوۂ قاتل مجھے
خود مری شوقِ شہادت نے کیا بسمل مجھے
حضرتِ دل کی بدولت سب ہیں یہ دشواریاں
ورنہ مشکل بھی نظر آتی نہ تھی مشکل مجھے
کھینچ لایا دل مجھے بحرِ تلاطم خیز سے
ناخدا نے میرے پہونچایا لبِ ساحل مجھے
وہ بھی کیا منظر تھا خنجر حلق پر جب دم چلا
خون کے ہر قطرہ میں آیا نظر قاتل مجھے
میرے سلجھائے سلجھتا ہی نہ تھا تارِ نفس
نزع کی ہچکی نے کی آسان یہ مشکل مجھے
ہو گئیں آزادیاں جب مائلِ زنداں مری
خود مری پابندیوں نے کر دیا داخل مجھے
اے شبِ ظلمت تری ظلمت نے دکھلایا یہ دن
داغِ دل بھی اب نظر آیا مہِ کامل مجھے
انقلابِ دہر سے یا گردشِ تقدیر سے
میری اب آسانیاں بھی ہو گئیں مشکل مجھے
مٹ گئی وہ حسرت و ارماں کی دنیا مٹ گئی
وہ سماں اب ہاتھ آنے کا نہیں اے دل مجھے

دل بھی پہلو میں تھا جگر اور دل میں درد بھی   عشق کے نہ تھے لذتِ عشق کا حاصل مجھے

۳۹ - عزیز سلونوی

عزیز تخلص، شیخ حبیب احمد صاحب کے صاحبزادے اور سلون (ضلع رائے بریلی) کے باشندے ہیں جو قدیم الایام میں اہل علم کی بستی تھی۔ وہاں قریب قریب ہر علم وفن کی مشہور ہستیاں گزری ہیں۔ اور گو وہ پچھلی سی علمی چہل پہل نہ ہو مگر اب بھی ایک نمایاں با مذاق جگہ ہے۔

عزیز صاحب ۱۰ اپریل سنہ ۱۹۰۱ء میں اپنے وطن مالوف میں پیدا ہوئے۔ چھ سال کی عمر سے سلسلۂ تعلیم شروع ہوا۔ اردو کے علاوہ عربی و فارسی کی ابتدائی تعلیم قصبہ مذکور کے پرانے بزرگوں سے حاصل کی۔ قصبہ کے بڑے بڑے ذی علم حضرات کی صحبتوں میں جن کو بہت وقت گرم رہنے والی ادبی و علمی مجالس کہنا بیجا اور ناموزوں نہ ہوگا۔ وقت صرف کیا۔ انہیں صحبتوں نے آپ میں علم و زبان کا اعلیٰ مذاق پیدا کیا۔ اور آپ نے سنہ ۱۹۱۶ء سے بعمر پندرہ سالگی کچھ شعر و شاعری میں قدم رکھدیا۔ اکثر غزلیں کہتے اور مخصوص احباب کو سنا کر چپکے ہو رہتے۔ کسی مشاعرے میں حاصل جگرداری کے ساتھ پڑھنے کی ہمت نہ پڑتی۔ تین سال تک یہی کیفیت طاری رہی۔ سنہ ۱۹۱۹ء میں چند غزلیں حضرت مولانا شاہ محمد نعیم عطا خاں نعیم محدث و سجادہ نشین سلون کی خدمت میں بغرض اصلاح پیش کیں۔ اور برابر جب سے اصلاح لیتے رہے۔ لیکن طبیعت مطمئن نہ ہوتی تھی۔ اس عدم اطمینانی کے متعلق خود آپ کا قول نقل کرنا زیادہ موزوں ہوگا جس سے ایک خاص امر پر روشنی پڑتی ہے

تحریر فرماتے ہیں ۔

"اب اسے بچپن کی نادانی ہی کہئے یا کسی بڑے شاعر سے تلمذ حاصل کرنے کا شوق سمجھئے بہرحال اس سے ممدوح کے دامنِ فضل پر دھبہ نہیں آتا۔ کیونکہ انسان محض تلمذ سے شاعری کا استاد نہیں بنتا اور اگر ایسا ہوتا تو ابو سینا فخر رازی اور زمخشری سے بڑھ کر کوئی شاعر نہ ہوتا لیکن یہ سچ ہے کہ تلامیذ الرحمن خود فطرت سے سندِ کمال حاصل کرتے ہیں اور ازل ہی سے مدارج اور مناصب پر فائز ہو چکے ہیں ...."

حقیقت بھی یہی ہے کہ ملکۂ شاعری فطری اور وہبی شے ہے خوش نصیبی اور منحصر باعوارضات تلمذ سے نہیں ۔

بہرحال پھر آپ نے حضرت رضی بدایونی سے جو کچھ دن سیلون میں مقیم رہے ۔ اصلاح لینا شروع کی اور سنہ ۱۹۱۹ء میں پہلے نادر اور بعدہٗ مسلم ہوسٹل الہ آباد کے مشاعرے میں حضرت نوح ناروی کے کلام سے متاثر ہو کر باقاعدہ آپ کے سلسلۂ تلامذہ میں منسلک ہو گئے ۔

غزل

ڈوب کر بحرِ فنا میں مل گئی منزل مجھے ۔۔۔ موجِ طوفاں لے چلی خود جانبِ ساحل مجھے
عش بجز عشق سے رتبہ یہ حاصل ہے مجھے ۔۔۔ یاد ہو دل دل کو میں یا اب ہو دل مجھے
جس کو میں مشکل کہوں ایسی نہ پیش آئے مجھے ۔۔۔ درد دے لیکن بنا دے درد کے قابل مجھے
شوق نے وارفتۂ راہِ محبت کر دیا ۔۔۔ منزلوں سے سوچتا ہوں مل گئی منزل مجھے

فرطِ غم میں چاہئے پابندیِ آداب و نظم
پستی دیتا ہے ہر وقت میرا دل سے مجھے
ناتوانی میں رکیں گے جب مرے پائے طلب
اپنی جانب کھینچ لے گی پھر کے خود منزل مجھے
کیوں نہ میں ممنون ہوں تیغِ نگاہِ ناز کا
ایک پہلو میں نظر آنے لگے سو دل مجھے
مرحبا دلچسپیِ سعیِ تجسس مرحبا
دشتِ غربت میں نظر آنے لگی منزل مجھے
ناتوانی پر ہوا دھوکا سکونِ قلب کا
تو نے رسوا کر دیا اے اضطرابِ دل مجھے
بحرِ غم میں ہر نفس ہے ایک موجِ اضطراب
آہ تڑپائے گی کب تک حسرتِ ساحل مجھے
کیا بتاؤں کب کہاں کیونکر کس سے پایا
اتفاقاً مل گیا گم گشتہ میرا دل مجھے
یاس نے بیگانۂ ذوقِ تمنا کر دیا
اب بھی کچھ حاصل ہے الفت میں تو کیا حاصل مجھے
یہ صدا دیتا ہے ہر ذرہ غبارِ قیس کا
جھانکتا ہے کوئی اٹھا کر پردۂ محمل مجھے
کچھ پتہ چلتا نہیں اس گریۂ بے اختیار
دل کو میں روتا ہوں یا روتا ہے میرا دل مجھے
کشتیِ عمرِ رواں ہے موجِ طوفانی عزیز
دیکھئے آتی نظر ہے صورتِ ساحل مجھے

۵۰ - عزیز شیخپوری

تو نے اے تیغِ فراق! کیا بسمل مجھے
آج [illegible] پھر [illegible] دل سے مجھے
سوزِ غم سے جب ہوا نالاں جگر [illegible]
[illegible] حسرت [illegible] دل مجھے
خون کا نالہ دیکھ کر بیٹھے منصور میں ملول
کر گیا تیغِ جدائی سے کوئی بسمل مجھے
اپنے نسخۂ درد کی اس سے میں [illegible] کروں
[illegible] حسرت سے [illegible] مجھے
یاد میں اس رشکِ لیلیٰ کے جگر [illegible] تھا
محمل میں آیا نظر لیلیٰ کے جب [illegible] مجھے
دل جگر فرطِ الم سے بید مجنوں بن گیا
تھم سکے [illegible] مجھے

یاس کے دریا میں کھاتا ہوں غوطے ہر گھڑی
اب نظر آتا نہیں امید کا ساحل مجھے
میری وحشت کا رہا دل میں اگر یوں ہی قیام
ایک دن لیجائے گا سوئے بیاباں دل مجھے
مجھ کو نالوں سے محبت ہو نہ آہوں سے ہی عشق
بیٹھنے دیتا نہیں خاموش میرا دل مجھے
دل کی وحشت نے پنہائی پاؤں میں زنجیر غم
دیکھئے رکھتا ہے کب تک قید میرا دل مجھے
وحشت دل کی خطا کیا۔ درد دل کا کیا قصور
دشت کی جانب لئے جاتا ہے میرا دل مجھے
طور پر موسیٰ ہوئے بیہوش جلوہ دیکھکر
جلوۂ ہر رگ پسر نے کر دیا غافل مجھے
اس مری فریاد کا ہوگا نتیجہ اور کیا
خاک میں اک دن ملا دیگا یہ درد دل مجھے
دیکھ کر میرے کلام درد آگیں کو عزیز
اک زمانہ کہہ رہا ہے ثانیِ بیدل مجھے

۵۱۔ فرحت۔ شمس آبادی

(سید) فرحت حسین نام، نواب خاندانی خطاب، نواب سید برکت حسین برکت مرحوم کے فرزند ارجمند ہیں۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے اس لئے موسوی اور شاہ صفی بادشاہ ایران سے نسبت خاندانی رکھنے کے باعث (جو امام معظم کی اولاد سے تھے) صفوی کہلاتے اور بطور لقب خود کو "موسوی الصفوی" تحریر فرماتے ہیں۔ آپ خاندان نوابین شمس آباد (ضلع فرخ آباد) کے ایک رکن ہیں۔

فرحت صاحب ۱۰ر شوال ۱۳۱۱ھ بروز جمعہ شمس آباد میں پیدا ہوئے۔

والد بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھ جانے پر اپنے جد امجد نواب سید محمد ولی خاں عرف نواب جان صاحب کے ظل عاطفت میں پرورش پائی۔ اردو فارسی

اور طب کی تعلیم بھی نواب صاحب ممدوح ہی سے حاصل کی۔ بقدرِ ضرورت انگریزی سے بھی واقف ہیں۔

شاعری آبا و اجداد سے بطورِ میراث ہاتھ آئی ہے۔ آپ کے بزرگوں کو اساتذہ مشاہیر سے شرفِ تلمذ حاصل رہا ہے۔ خود آپ نے ابتداءً حضرت حامد رامپوری (محمد اشرف خاں) تلمیذ حضرت اسیر لکھنوی کو اپنا کلام دکھلایا پھر اپنے بزرگوں میں سے ایک بزرگ نواب سید جعفر علی خاں صاحب جعفر (شاگردِ رشید حضرت دبیر لکھنوی) سے اصلاح لیتے رہے جو اپنے عہد کے مشہور و بہترین تاریخ گو تھے۔ اور موصوف کے انتقال کے بعد اپنے عم بزرگوار نواب سید اصغر حسین عرف لاڈلے صاحب المتخلص بہ واقف سے اصلاح لینی شروع کی۔ کبھی کبھی جناب لالہ کشوری لال صاحب قمر لکھنوی سے بھی مشورہ کیا ہے۔ ان تمام حضرات کی صحبتوں اور اصلاحات نے آپ کے کلام کو تا بمقدور اپنے اثرات سے بوجہ احسن متاثر بھی کیا ہے۔

غزل

ہائے ملنا عشق میں دشوار ہی منزل مجھے
کس طرف یہ لے چلی ہی آرزوئے دل مجھے
کچھ نہیں پروا تیری اے مہِ کامل مجھے
داغ اُٹھانے کے لئے یہ مل گیا ہی دل مجھے
الفتِ جاناں میں پہلے زندگی دشوار تھی
اب تو مرنا بھی نظر آنے لگا مشکل مجھے
تابِ نظارہ نگاہِ شوق سے ممکن نہیں
پردہ ہائے چشم آتے ہیں نظر حائل مجھے
اللہ اللہ وحشتِ دل کا اثر لے ہی اُڑا
اپنے دیوانوں میں اس نے کر لیا داخل مجھے

رشتۂ مہر و وفا کا داستانِ غم بنے
ہاتھ آ جائے کہیں جو خنجرِ قاتل مجھے
چارہ گر سوزِ جگر کا حال میں کیونکر کہوں
چین لینے ہی نہیں دیتا ہے دردِ دل مجھے
ہائے ناکامِ محبت کا یہی انجام تھا
کس طرح قاتل چلا تو چھوڑ کے بسمل مجھے
زندگی دشوار اپنی کیوں نہ فرقت میں ہو مجھے
ڈوبتا ہوں اب نظر آتا نہیں ساحل مجھے

۵۲۔ فخرؔ میرٹھی۔ (سید فخر الاسلام)

راحتیں اوروں کو بخشیں اور دردِ دل مجھے
یوں بھی خوش ہوں تم نے سمجھا تو کسی قابل مجھے
میں ہوں بچہ ہے جہاں تعلیم گاہِ دل مجھے
اک نیا پیغام ہے ہر شورشِ محفل مجھے
جز نہیں باقی کہیں بھی یہ نگاہِ انتخاب
چھوڑ اب اے امتیازِ ناقص و کامل مجھے
رکھ لیا دامن پہ سر بھی دیکھ دامن کی ہوا
ہوش میں آنے لگے وہ دیکھ کر غافل مجھے
کچھ نشانی ہو کہ کشتہ ہوں میں تیغِ ناز کا
مرحمت بہرِ کفن ہو دامنِ قاتل مجھے
ہے یہ چھپانا تو دنیا کی بدلوا دو زباں
لوگ بھی کہنے لگیں بسمل تمہیں قاتل مجھے
آپ کا پڑھنا غزل، لوگوں کی بیتابانہ داد
یاد ہے اے فخرؔ وہ ہنگامۂ محفل مجھے

۵۳ فخرؔ۔ اٹاوہ (فخر الحسن)

آفریں ہے کس صفائی سے کیا بسمل مجھے
دستِ نازک چوم لینے دے ذرا قاتل مجھے
ٹھوکریں کھلوا رہا ہے رہروؤں کی دل مجھے
کرنی ہے ہموار گویا عشق کی منزل مجھے
ہوش اتنا تھا جنوں میں بھی نہ بھولا اسکی یاد
پھر ہے نادانی کہ دیوانہ کہیں عاقل مجھے
تیغِ ابرو تیرِ مژگاں دشمنِ قلب و جگر
ان جفاکاروں نے مل کے کر دیا بسمل مجھے

انتظارِ یار میں جس کو نہیں اتنی خبر اس کے در پر لائی کیوں امید لاحاصل مجھے
یہ دعا کا تھا سبب یارب کہ تاثیرِ فغاں اب وہ اپنی بزم میں کرنے لگے شامل مجھے
تم ستانے کو ستا لو لیکن اتنا سوچ لو کر نہ دے مجبور کچھ کرنے کو دردِ دل مجھے
یہ مقدر ہے تمنا اپنی پوری ہو نہ ہو لائی اک امید پر ہے آرزوئے دل مجھے
عمر بھر رونا پڑا دے کر متاعِ دل انہیں کر دیا جوشِ محبت نے کدھر مائل مجھے
کیا ترے کہنے سے ناصح کوئی دلبر چھوڑ دوں تجھ سے کیا دو چار بھی ملتے نہیں جاہل مجھے
اس ستمگر کی یہی تھی ایک ترکیبِ جفا رخ نہیں کرتا سمجھ کر دل میں وہ سائل مجھے
اس طرح کہنے لگا وہ دیکھ کر اپنا جمال کر گئی تصویرِ پشتِ آئینہ بسمل مجھے
جاں نثاری پر بھی میری غیر پر وہ ہیں فدا فخر یہ انعامِ الفت میں ہوا حاصل مجھے

۵۴ - قابل گلاؤٹھی

تاریخ ولادت ۱۲؍ شوال ۱۳۲۵ھ یوم جمعہ قاضی منور حسین تاریخی نام، عرف سید رحیم اللہ کنیت ابو الفخر متوطن گلاؤٹھی ضلع بلند شہر، ہیں

ابتدائی تعلیم مکتب و مدرسہ سرکاری قصبہ گلاؤٹھی میں پائی۔ قرآن شریف و ابتدائی عربی کتب و اردو کی سند حاصل کرنے کے بعد انگریزی کی جانب رجوع کیا۔ گورنمنٹ ہائی اسکول بلند شہر سے ۱۹۲۶ء میں انٹرنس سکنڈ ڈویژن میں پاس کیا۔ دوران تعلیم میں دو مرتبہ سرکاری وظائف و ایک مرتبہ لوکل اسکالرشپ بھی پایا۔ اسی دوران میں حضرت سید امام صاحب ایرانی النسل مجتہد العصر کی صحبت نصیب ہوئی۔ اور تقریباً ساڑھے تین سال ان کی صحبت میں رہ کر اصول منطق

فلسفہ، نفسیات، علم الکلام و عروض وغیرہ کی تکمیل کی۔ اور حضرت مولٰنا عبدالرشید صاحب فدا کے زیر سایہ تصوف کے نکات سے آگاہی حاصل فرمائی حضرت سید اسلم صاحب کی ساتھ تین سال صحبت نے فارسی بیدلیات میں بھی مہارت پیدا کر دی۔ انگریزی، عربی، فارسی، علم ادب کی بلند پایہ کتب ہمیشہ مطالعہ کرتے رہے۔ اسی شوق میں ذاتی طور پر ایک کتب خانہ ترتیب دیا جس میں اس وقت تقریباً پانچ ہزار عربی، فارسی، اردو، انگریزی ادبا کی گرانقدر تصانیف موجود ہیں جن میں سے اکثر کئی کئی مرتبہ مطالعہ کر چکے ہیں۔ تالیف و تصنیف کا شوق دامنگیر ہوا۔ تو فلسفہ نظر، کلید موسیقی، نکات تصوف، انکشاف راز، حدیث خودی، توحید کی امانت وغیرہ وغیرہ مختلف علوم میں تصنیف و تالیف کیں۔ مذاق سخنوری و سخن سنجی اپنے زاویۂ نگاہ کو یوں واضح فرماتے ہیں۔

"شعر و شاعری سے فطرتی انس تھا۔ لیکن موجودہ معیار سخن سے اپنے زاویہ نگاہ کو مختلف رکھتا ہوں۔ اس وقت تک تقریباً چالیس ہزار یا اس سے بھی کچھ زیادہ شعر کہہ چکا ہوں۔ لیکن ہنوز نگاہیں مطمئن نہیں اور بڑی بیچینی سے اس معیار تک رسائی کا خواہشمند ہوں جہاں نہ صرف قلب کو بلکہ روح کو تشفی نصیب ہو جائے۔ "شاعری" کو حقیقی معنی میں شغل تنہائی سمجھے ہوئے ہوں۔ اور حقیقت ناشناس دنیا کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ اس کے سامنے ان دل پاروں کو خاک میں ملائے جانے کے لئے پیش کیا جائے بلکہ بطفیل دیگر دیوانگیوں کے اپنے مجموعہ کلام کو بھی عالم نزع میں اپنی آنکھوں کے سامنے نذر آتش ہوتا دیکھکر چارہ تسکین حاصل کرنے کی فکر میں ہوں۔ اور شعرائے ماسبق میں میر و غالب

کو ترجیح دیتا ہوں اور ضرورت سے زیادہ غالب مرحوم کا معتقد ہوں۔ اکثر غالب کا یہ شعر زبان پر رہتا ہے۔

؎ بیاورید گر اینجا بود زباندانے غریب شہر سخنہائے گفتنی دارد

اردو، فارسی دونوں زبانوں میں شاعری کرتے ہیں۔

غزل

کر دیا دلدادۂ توقیر آب و گل مجھے عرش والوں نے بتا کر آپ کی منزل مجھے
بخشنے والے نے خود بخشا ہے اپنا دل مجھے دولت دارین ہے حرف لب سائل مجھے
دیکھ کر برگشتہ آسانی منزل مجھے آج مانگے بھی نہیں دیتا کوئی مشکل مجھے
ذوق تکمیل فنا کا مل گیا حاصل مجھے جرم ہستی پر ملی تعذیر آب و گل مجھے
سعی حاصل دے بقدر سعی لاحاصل مجھے دے ہر اک ذرے میں یارب اک نئی منزل مجھے
جان کر در پردہ اپنے حسن پر مائل مجھے کر لیا کس نے گرفتار فریب دل مجھے
پیش ہے راہ طلب میں ادراک مشکل مجھے حد فاصل ہو گئی گرد سر منزل مجھے
میری فطرت نے بنا کر ربط دین و دل مجھے کر دیا خود دعوئے منصور کے قابل مجھے
پھر ملی محشر میں فطرت آزما محفل مجھے حسن سے کہنا پڑی پھر داستان دل مجھے
ڈھونڈتے ہیں امتیازات حق و باطل مجھے کر گیا کیا چیز یارب انقلاب دل مجھے
جستجوئے مستقر ہے زیست کا حاصل مجھے کچھ نہیں تیرے سوا رسم و رہ منزل مجھے
تیرگی ٹھہری نمود حسن کا حاصل مجھے مل گئی ناکامیوں کی راہ میں منزل مجھے
رنگ عالم کے دکھاتا ہے تماشے دل مجھے ڈوبنے دیتی نہیں ہے خشکی ساحل مجھے

جب سہارا ہی چھوڑ کر ناکامیِ منزل ہے مجھے موجیں خود لینے کو آئیں تا لبِ ساحل مجھے
کتنا وجد آور ہے تآبل انقلاب دل مجھے سانس بن کر کھینچتا ہے جذبۂ منزل مجھے

۵۵۔ قاسم - کرہلی

غلام قاسم نام! آپ ہی مشہور حاجی مولوی سید غوث علی صاحب پنشنر تحصیلدار کے صاحبزادے، متوطن کرہل میں۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت امام حنیفہ رضہ کے توسط سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک منتہی ہوتا ہے۔ نہ معلوم کن اسباب کے ماتحت آپ کے بزرگ غزنی اور وہاں سے ہجرت کر کے وارد ہندوستان ہوئے تھے۔ آپ کے مورث اعلیٰ المعروف بہ "دادا شیخ کمال" نے جو ایک صوفی منش صاحب باطن بزرگ تھے۔ موضع کمہری تحصیل کرہل ضلع مین پوری میں سکونت اختیار کی۔ اور وہیں مرحوم کا مزار مرجع انام ہے۔ عہد دولت برطانیہ میں آپ کے بزرگ معزز عہدوں پر ممتاز رہے ہیں۔

قاسم صاحب ۱۲ شعبان ۱۲۸۶ھ کو اٹاوہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے اور فارسی کی اعلیٰ کتابیں اپنے ماموں مولوی عظمت حسین صاحب سے کرہل میں پڑھیں۔ پھر تحصیل کرہل میں عرائض و وثائق نویسی کا پیشہ اختیار کر لیا۔ اور دوران عرائض نویسی ۱۸۹۳ء میں اردو مڈل کا امتحان پاس کیا۔ ۱۸۹۵ء میں امتحان مختاری میں شرکت کی ناکام رہے۔ شاہ حبیب حیدر صاحب قلندر کاکوروی کے مرید، بزرگوں کے ترکہ قناعت پر قابض اور عرائض نویسی پر قانع ایک خوش گزران و خوش اوقات ہستی ہیں۔ سرکار نے آپ کو معاملہ فہمی کی

بنا پر آپ کو اسیمروں کے زمرے میں بھی داخل کر رکھا ہے۔ آپ کے چچا صاحب کا دیوان "دیوان لطیف" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ آپ کے والد ماجد بھی شاعر اور حضرت محسن کاکوروی مرحوم سے نسبت تلمذ رکھتے ہیں۔ بدیں حیثیت آپ موروثی شاعر اور ۲۵-۲۶ سال سے اس میدان میں راہرو ہیں۔ ابتداءً اپنے برادر معظم مولوی سید غلام کاظم صاحب سے، جن کا تعلق ملازمت ریاست رامپور سے تھا، اصلاح لیتے رہے پھر محمد تقی صاحب تلمیذ نواب داغ دہلوی مرحوم سے تلمذ اختیار کر لیا۔

غزل

دل کو لے کر چل دیے وہ چھوڑ کر بسمل مجھے
دل کے دینے کا نتیجہ یہ ہوا حاصل مجھے
دل کی دھڑکن بڑھ گئی محشر سا برپا ہو گیا
چھلٹی جب وہ میری جانب چلا بنکر سائل مجھے
بے خطا ہوں بیگناہ ہوں میں یہ چلاتا رہا
کر دیا تیر نگہ نے آپ کی گھائل مجھے
کام پورا کرتے جاؤ کچھ کمی ہے اے جناب
چھوڑنا اے جان جاں اچھا نہیں بسمل مجھے
دل کا آجانا یہ لایا اور اک آفت نئی
جان کا رہنا نظر آتا ہے اب مشکل مجھے
قتل کرنا ہو اگر عشاق کا مدنظر
صف میں ان کی پیشتر کر لیجئے شامل مجھے
حسن کی دولت کا صدقہ کچھ عنایت کیجئے
بندہ پرور اپنے در کا جان کر سائل مجھے
بحر عصیاں موج زن ہے یا الٰہی خیر ہو
اب کسی جانب نظر آتا نہیں ساحل مجھے
دیکھنا اور مسکرا کر حال دل کا پوچھنا
یہ ادائے دلنوازی ہو گئی قاتل مجھے
دق تپ ہجراں کیا کرتی ہے اکثر رات دن
اس لئے درکار ہے دل کی جگہ اک سل مجھے

جلوۂ یادِ رخِ جاناں سے ہے قاسم مدام
خانۂ دل ہوگیا ہے یار کا محمل مجھے

قاضی شکوہ آبادی

محمد ثناء اللہ نام (قاضی) محمد ارادت کے خلف اصغر شیخ صدیقی اور متوطن شکوہ آباد ہیں۔ آپ کے مورث اعلیٰ قاضی کریم اللہ صاحب مرحوم کو شاہان مغلیہ نے جاگیر عطا کرکے بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز کیا تھا۔ منصب قضائے قصبہ علی الخصوص آپ کے بزرگوں کے سپرد رہا۔ اور ان میں سے اکثر حضرات عربی و فارسی کے فاضل، خوشنویسی کے ماہر اور مذاق شاعری کے حامل تھے۔ آپ کے والد ماجد "ارادت" تخلص کرتے اور جو کچھ فرماتے اس میں نعت کا جزو غالب ہوتا تھا۔

قاضی صاحب ۱۹ ستمبر ۱۹۰۱ء میں بمقام شکوہ آباد پیدا ہوئے۔ اور ابھی اپنی عمر کی سات منزلیں ہی طے کرنے پائے تھے کہ والد بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ والدہ ماجدہ کے زیر سایہ تعلیم و تربیت پائی۔ ۱۹۱۵ء میں اردو مڈل پاس کیا اس کے بعد دو سال تک انگریزی پڑھتے رہے آخر حوادث زمانہ اور فکر معاش نے سلسلہ تعلیم قطعی ترک کرا دیا اور قریب قریب ایک سال تک مدرسہ اسلامیہ شکوہ آباد میں معلمی کرتے رہے۔ آخر اس پیشہ کو مناسب طبع نہ پاکر ۱۹۲۰ء سے کسی وکیل کی محرری کر لی اور اب یہی مشغلہ ہے۔ خوشخط آدمی[عہ] ہیں۔

[عہ] یوں تو خوشخطی آپ کا خاندانی طرۂ امتیاز ہے مگر ایک صاحب سے یہ معلوم کرکے مجھے حیرت ہوئی کہ آپ کی اور آپکے برادر معظم "نازک" شکوہ آبادی کی شان خط میں امتیاز کرنا دشوار ہے۔ درحقیقت جو حالات مجھے موصول ہوئے ہیں اگر ایک ہی صاحب کے تحریر کردہ نہیں ہیں تو یہ روایت بالکل صحیح ہے۔

بزرگوں کے شاعر ہونے کے باعث شاعری داخلِ فطرت ہے۔ اپنے برادرِ کلاں نازکؔ شکوہ آبادی تلمیذ حضرت احسنؔ مارہروی سے مشورہ لیتے ہیں۔

غزل

کر گیا پابندِ قتل افسوس شہ ہ قاتل مجھے — کام جو آسان تھا وہ ہو گیا مشکل مجھے
جستجو نے تیری یارب کر دیا کامل مجھے — اب تو جس کو دیکھتا ہوں ہے وہی محمل مجھے
گر تمہیں ارمان تھا تو ذبح کر دیتے ضرور — اس سے کیا حاصل ہوا چھوڑا ہے کیوں بسمل مجھے
زندگی دشوار ہے جینے کا ساماں ہی نہیں — ہر ادائے دلنوازی ہو گئی قاتل مجھے
میں تو سمجھا تھا اسے سامانِ عیشِ زندگی — ہر ادائے دلنوازی ہو گئی قاتل مجھے
آج حسرت میری پوری ہو گئی حسبِ مدعا — لے چلا ہے جانبِ مقتل مرا قاتل مجھے
در پہ آیا تو ہوں میں لیکن نہ کچھ مانگوں گا میں — کیوں سمجھتے ہیں ترے در کا سائل مجھے
تھا مرا ارمان آساں تم نے ہی مشکل کر دیا — آپ نے مشکل کیا اور ہو گیا مشکل مجھے
تم نہ آئے عمر بھر یاں تک کہ وقتِ نزع بھی — زندگی تو ہو چکی ہے موت بھی مشکل مجھے
تھا تعجب بزم میں قاضی کا جانا یک بیک — میں تو ان کو دیکھتا تھا اور کل محفل مجھے

۵۶ — قمرؔ مین پوری

کیوں کئے دیتے ہیں بیخود نغمہ ہائے دل مجھے — اُف یہ سوز و ساز کیونکر ہو گیا حاصل مجھے
اب تو کر آزاد اے پابندیٔ منزل مجھے — راحتِ آوارگی ہے میرا دردِ دل مجھے
پیشِ داور بھی نہ باز آئے وہ اپنے جور سے — ترچھی نظروں سے وہاں بھی کر دیا بسمل مجھے

کیا میں ڈھونڈوں کیا ہیں واں جب نہ تھا کچھ بھی ہوش
وہ نظر آیا تو دل خود بن گیا منزل مجھے

چٹکیاں بھرنے لگیں زیب انتظار قتل میں
اک زمانہ ہو گیا مشتاق ہوا قاتل مجھے

جب ہوا موجوں نے دیکھا انتہائی اضطراب
لے گئیں آخر بہا کر تا لب ساحل مجھے

ہے یہی اے چارہ گر کچھ درد فرقت کا مزہ
تو کسی پہلو بتا دے درد کی منزل مجھے

اس تمنا پر تڑپتا ہی رہا لاشہ مرا
کیوں نہ آیا دیکھنے یارب مرا قاتل مجھے

ڈوب جائے کشتی امید تو بھی ڈوب جا
ڈوب جائیگی جو تو مل جائیگا ساحل مجھے

چٹکیاں لے لیکے دل میں تیر دزدیدہ نے
کر دیا ہشیار جب دیکھا ذرا غافل مجھے

زیر سایہ حشر تک سوتا نہ اٹھتا پھر کبھی
اے قمر ملتا کہیں جو دامن قاتل مجھے

۵۸۔ قمر بدایونی

محمد قمر الحسن نام سلسلۂ نسب پدری ارشدی و حمیدی شاخوں سے گزرتا ہوا ثالث حسنین جناب محمد بن حضرت ابوبکر صدیق اور سلسلۂ نسب مادری دانشمندوں کے خاندان سے گزرتا ہوا حضرت عبد الرحمن بن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک پہونچتا ہے۔

تاریخ پیدائش ۱۷ صفر المظفر [illegible]ھ مطابق [illegible] اپریل [illegible]ء اور وطن بدایوں ہے۔ فارسی کی تکمیل اور کچھ عربی پڑھنے کے بعد انٹرنس تک انگریزی پڑھی کتب بینی کے سلسلہ میں ناول نویسی مضمون نگاری اور شاعری کا شوق دامنگیر ہوا ۱۹۰۲ء میں جناب مولانا حافظ محمد عبد الرحمن راسخ دہلوی سے تلمذ پر فخر حاصل کیا۔ مشاہیر ہندوستان اور اساتذہ وقت سے ہم باوجود رہنے کی مصاحبت سے

اور ادھر کی قصیدہ خوانی سے محترم جعفر کے تئیں کمال فقیر نے ذریعہ معاش اور حصول ملازمت کا ذریعہ بن گیا جس کی شکر گزاری کا ترجمان موصوف کا یہ مقطع ہے ۔

اب اور قمر آخر خدا سے کیا مانگوں ٭ عزت بھی عطا کی ہے اس نے مجھے شہرت بھی

رسالہ سود و منفعت کے مدیر ہیں ۔ اور علاوہ ان مضامین اور تحقیقی اقتصادی، تعلیمی و اخلاقی نظموں کے جو مختلف اخبارات و رسائل میں شائع ہوتی رہیں نثر میں **نادان دوست، نرالا - انوکھا فلاسفر اور نظم میں مصور جذبات (دیوان اول) آئینہ جذبات (دیوان دوم)، شان فاروق (فاروق اعظم کی منظوم سوانح عمری)** مطبوعہ شکل میں آ چکی ہیں ۔ تیسرا دیوان مرقع جذبات زیر ترتیب ہے ۔ اور چند فنی و معاشرتی کتابیں مثلاً محاورات مومن خاں، محاورات ناسخ - رسالۃ القافیہ جیسے فن کی تصنیف ہو چکی ہیں ۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو ۔

غزل

اس خوشی میں جان دینا بھی نہیں مشکل مجھے
سادگی ان کی کہ قاتل کہہ دیا بسمل سے مجھے

وعدہ فردا وہ کرتے ہیں تو کیا حاصل مجھے
آج ہی لینے دو جنت کا نظارہ بیدل سے مجھے

محبت میں سیر بدر میں دکھا کامل مجھے
روک بیٹھا ہے خیال ان کا ہی منزل سے مجھے

کیا جواب اس کا کہ تم نے کیوں دیا تھا دل مجھے
ایک ہی حسرت ہے اس کو دیا قاتل نے مجھے

موت میری قتل گہ میں ہاتھ مل کر رہ گئی
تم ابھی چھوڑ کے جب چل دیا قاتل سے مجھے

پھیر لیں یہ آنکھیں خفا ہو کر یہ کیا غضب ہوا
میں تو سمجھا تھا ہمیشہ ترے دل سے مجھے

سخت جانی کی بدولت اس قدر جینے سے
جان تو دینا ہے اس نظر آنے کی قاتل سے مجھے

اللہ رے ناتوانی اللہ رے ضبط غم
وہ سمجھتے ہیں ابھی فریاد کے قابل مجھے

عمر بھر دیکھا تو دنیا مرحلہ تھی راہ کا
بس یہ سمجھا تھا نظر آنے لگی منزل مجھے

میں وہ ہوں دل دیکے میں نے تم کو دلبر کردیا
تم وہ ہو دل لیکے مجھ سے کردیا بیدل مجھے

یہ وہی حالت ہے دشمن کو بھی جس پر رحم آئے
یعنی اب کروٹ بدلواتا ہے درد دل مجھے

زندگی دشوار کرکے نزع میں تسکین دی
اس کا یہ مطلب کہ اب مرنا بھی ہو مشکل مجھے

جان کا دشمن کہا میں نے تو فرمانے لگے
اور تم نے کیا سمجھ کر دے دیا تھا دل مجھے

شوق نے تو انتہا سے پاس تک پہنچا دیا
تو عدم تک لے چل اے ناکامی منزل مجھے

دل لگانے کا نتیجہ اور کیا ہوگا قمر
اب وہ میرے دل کو تڑپائینگے میرا دل مجھے

۵۹ - کشتہ قادری

محمد عبداللطیف خاں نام، کشتہ تخلص سلسلہ قادریہ میں بیعت ہونے کے باعث خود کو "قادری" لکھتے ہیں۔ منشی یعقوب علی خاں کے بیٹے اور یوسف زئی پٹھان ہیں۔ آپ کے مورث اعلیٰ رحمت خاں مرحوم شاہ عالم فرمانروائے دولت مغلیہ کے عہد میں ہرات سے دہلی ہوکر فوج خاصہ میں کسی معزز عہدے پر ممتاز اور "برچھیت بہادر" کے خطاب سے مخاطب ہوئے۔ چونکہ ذات و منصب کی جاگیر قصبہ بھونگاؤں (مین پوری) میں پائی تھی۔ لہذا اسی کو اپنا وطن بنا لیا۔ آپ کے دادا صاحب عرصہ تک برسم تجارت مقیم آگرہ رہے۔ اور والد صاحب نے وہیں زمانہ ملازمت سرکاری بسر کیا لہذا ۴۰-۴۵ سال سے آپ کا خاندان آباد اکبرآباد ہے۔ آپ کے حسبی آبا و اجداد صاحب باطن ہونے کے علاوہ بلند

زمانہ کے زبردست فاضل اور مسند نشین علم و فضل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر امرا و سلاطین مغلیہ اور باستثنائے موجودہ مسند نشین کے اکثر راجگان جے پور نے ان کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کیا۔ اور صلہ میں بڑی بڑی جاگیریں اور معافیاں پائیں جن کے آثار اب بھی باقی ہیں۔

مولانا کشتہ ۳، دسمبر سنہ ۱۸۹۹ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم آپ کے نانا صاحب کے پاس بھوپال میں ہوئی اور ان کے انتقال کے بعد مولانا الحاج مولوی ضیاء الاسلام صاحب امام و رکن جامع آگرہ کے زیر نظر کیونکہ آپ کے والد ان کے بیحد معتقد تھے موصوف نے آپ کو مثل اپنے بیٹے کے اپنے پاس رکھ کر تعلیم و تربیت کیا۔

آپ نے مدرسہ سلیمانیہ (بھوپال)، دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ عالیہ آگرہ میں علوم عربیہ و فارسیہ کی تحصیل اور اورینٹل کالج رامپور میں کورس ختم کر کے ۱۹۱۸ء میں پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل (آنرز ان پرشین) کی ڈگری حاصل کی۔ اسی سلسلہ میں آپ کا سلسلہ ملازمت شروع ہو گیا۔ اور آپ نے ۱۹۲۲ء تک وکٹوریہ ہائی اسکول اور شعیب محمدیہ ہائی اسکول آگرہ میں بحیثیت ہیڈ مولوی کے باحسن وجوہ کام کیا۔ سنہ ۱۹۲۲ء میں سرکاری ملازمت میں داخل ہو کر گورنمنٹ ہائی اسکول باندا اور گورنمنٹ کالج جھانسی میں متعین رہے۔ دوران تعیناتی جھانسی آپ نے آخری دو سال تک انٹرمیڈیٹ کے درجات کو نہایت قابل طریقہ پر اردو پڑھائی۔ جولائی سنہ ۱۹۲۵ء سے گورنمنٹ ہائی اسکول مین پوری میں معلم السنہ مشرقیہ ہیں۔

مولانا کو فارسی پر عبور کامل اور فارسی جدید سے بھی [illegible] تام ہے اور آپ اچھے

"جدید فارسی" کا ایک مبسوط لغت انگریزی ڈکشنریوں کے طرز پر ترتیب دیا ہے اس کے علاوہ آپ اردو کے ایک ذی مرتبت ادیب، مصنف اور نثر نگار ہیں۔ کثرت مطالعہ، مذاق سلیم اور بیشتر تحقیقاتی زندگی بسر کرنے کے باعث آپ کے تاریخی و تنقیدی مضامین معلومات اور برجستہ و برمحل موشگافیوں کا بے مثل ذخیرہ ہوتے ہیں۔ زبان سلیس، شیریں، دلاویز اور اردوئے جدید و قدیم کا ایک خوشگوار مرکب ہوتی ہے آپ کی رائے میں "اردو کو" اردو" ہونا چاہیے نہ عالم لسانیات ہند کا "ہوا"

آب حیات عزیز (سوانح سر قاضی عزیز الدین احمد بالقابہ وزیر اعظم دتیا) اور تاریخ تخت طاؤس کے مصنف ہیں پہلی کتاب جو مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں طبع ہو چکی ہے موجودہ ترقی یافتہ طرز حیات نگاری کا آئینہ اور دوسری "تخت طاؤس شاہجہانی" کے تاریخی حالات کے علاوہ مغلوں کے عہد میں ترقی فنون لطیفہ کا جام جہاں نما اور ایک تاریخی انسائیکلوپیڈیا کا حکم رکھتی ہے اس کو گلاب سنگھ اینڈ سنس لاہور طبع کر رہے ہیں۔

کشتہ صاحب جب سنہ ۱۹۱۴ء میں دیوبند میں پڑھتے تھے وہاں اس زمانہ میں مدرسہ سے ملحق ایک عمارت موسومہ دیوانخانہ میں وحشتی و مسیحا تلامذہ امیر و داغ کے رندانہ مشاعرے ہوتے تھے جس میں آپ نے بھی بدلچسپی تمام شریک ہوتے ہوئے غزل کہنا شروع کر دی اور فریاد کاکوروی (پروفیسر عربی لکھنؤ یونیورسٹی) سے جو اعلیٰ درجات میں پڑھتے اور اس جمعیت کے لیڈر تھے۔ جس میں مولانا شریک تھے کبھی کبھی مشورہ لیتے رہے پھر آگرہ میں جب شاہ

میکش اکبرآبادی کے یہاں مجلسِ ادبیہ قائم ہوئی تو اس کے مشاعروں میں شرکت کرتے رہے لیکن نہ متواتر فکرِ سخن کرتے تھے اور نہ اس شعبہ میں ترقی خاص مدِ نظر تھی اس لئے کبھی اصلاح نہیں لی۔ مگر جب بحیثیت شعر نگار کے شہرت حاصل کی اور ادبی مجلسوں اور مشاعروں میں پڑھنے اور شرکت کے لئے مجبور کئے جانے لگے تو کچھ عرصہ تک بالاستقلال فکر کرتے رہے اور اطمینانِ طبع کے لئے حضرت آفتاب اکبرآبادی و حضرت شام اکبرآبادی سے چند غزل پر اصلاح بھی لی۔ اب ایک مدت سے شرکتِ مشاعرہ جات سے مجتنب ہیں۔ تاہم احباب مجبور کر دیتے ہیں تو شریک ہو جاتے اور غزل بھی تصنیف کر دیتے ہیں۔ بہرحال شاعری مشغلہ بھی ہے اور نباہنا چاہتے ہیں جو کچھ کہتے ہیں وہ بقول جگر مرادآبادی بہت سمجھ کر اور میری رائے میں خوب۔

(ڈاکٹر شیخ محمد صدیقی۔ سی۔ ڈی)

غزل

یاں تڑپ جائے تڑپتا دیکھ کر قاتل مجھے
بجلیاں لاتے ہزار اضطرابِ دل مجھے

ہے ازل سے جستجوئے کوچۂ قاتل مجھے
زندگی میں چاہئے آرامگاہِ دل مجھے

کیوں ستانے آئے یادِ عشرتِ ساحل مجھے
غرق کر دے کاش موجِ اضطرابِ دل مجھے

زندگی کو میں سکونِ قلب پر کر دوں نثار
چین لینے دے جو بربادِ تمنا دل مجھے

قلبِ حسرت آشنا، غرقِ محیطِ بیخودی
چھوڑ دے دم بھر کو تنہا تو مرا ساحل مجھے

خاک پروانوں کی اڑتی ہے یہی ہے بزم میں
اور کیا دکھلائے دکھلا گرمیٔ محفل مجھے

ہو گیا ظاہر مآلِ سوزِ غم افسوس ہے　　میرے نالوں نے کیا شرمندۂ محفل مجھے
میرے خونِ شوق کے دھبوں پہ پردہ ڈال دے　　حشر میں رسوا نہ کر اے دامنِ قاتل مجھے
جانتا ہے کیا مجھے نا آشنائے چشمِ نم　　گھورتا ہے دور سے کیوں دیدہ ساحل مجھے
خاکِ مجنوں سے بنے ہیں میرے اجزائے حیات　　روح نے محبوس ہو کر کر دیا محمل مجھے
عرصہ گاہِ حشر طے کرنے کو رکھا ہے ابھی　　لے اُٹھانے دے قدم آسائشِ منزل مجھے
منزلِ کشتی غم تھی شورشِ موجِ فنا　　غرق ہونے سے نظر آنے لگا ساحل مجھے
آشنائے بحرِ غم ہوں ڈوبنے میں ہے نجات　　موج نے سمجھا ہی کشتہ کشتۂ ساحل مجھے

۶۰ — کلیم — (بابو رگھبیر دیال فرخ آبادی)

یہ تقاضا ہے دکھا دے کوچۂ قاتل مجھے　　اک بلائے ناگہانی ہو گیا ہے دل مجھے
ہو اسے توفیق اتنی وہ کرے بسمل مجھے　　کھینچ کر لایا ہے جذبۂ الفتِ قاتل مجھے
بچ کے دم ہو کے برہم یہ کہا سفاک نے　　گھورتا ہے زیرِ خنجر دیدۂ بسمل مجھے
نکلوں گردابِ بلا سے اپنی کوشش سے اگر　　پھینک دے گا قعرِ دریا میں وہیں ساحل مجھے
لے دعائیں دست و بازو کو دہانِ زخم سے　　نیم بسمل چھوڑ کیوں جاتا ہے او قاتل مجھے
تھی لیلیٰ کی تمنا میں اُٹھا سیلی بنا　　گرد بادِ کوئے جو اُٹھا بن گیا محمل مجھے
دیکھ کر جلوہ ترا بے حس ہے ہر عضوِ بدن　　اب نظر آتی ہے یہ سونی بھری محفل مجھے
تابشِ رخسار سے آنکھیں بھی خیرہ ہو گئیں　　پھونکے دیتی ہے اُن کی گرمیٔ محفل مجھے
داغ کھائے اسقدر سینہ چراغاں بن گیا　　آہ کشتِ آرزو سے یہ ہوا حاصل مجھے
آ گئی جادو بیانی فیضِ صحبت سے کلیم　　بن گیا جادو ذرا اس کا جو قابل مجھے

کچھ سکت باقی نہیں ہے آبلے پا پڑ گئے ہیں [illegible] ستاتی دور کی منزل مجھے
[illegible] کرتے [illegible] چھیڑ دو ہاں چھیڑ دو [illegible] میرا دل مجھے
دیکھ تو زور نقاہت کہ مقصد ہی سے [illegible] جب قدم میں نے اٹھایا ہو گئی منزل مجھے
شے فقیرانہ صدا دیدار ہو شاید نصیب سامنے آئے سمجھ کر وہ کہیں سائل مجھے
اے کلیم خستہ جاں میری بساط ایسی کہاں مہرباں استاد ہے اس نے کیا کامل مجھے

باقی جائسی

[illegible] نام [illegible] باقی تخلص ہے سادات نقوی قصبہ [illegible] جائس ضلع رائے بریلی سے ہیں [illegible] دسمبر [illegible] کو [illegible] ہے کہ جب آپ عالم [illegible] عالم وجود میں آئے۔

ابتدائی تعلیم والدین کے سایہ عاطفت میں بہت معقول ہوئی۔ عین اسی زمانے میں ذوق شعر نے طلب علم کے شوق کو پسپا کیا اور برابر خدمت ادب انجام دے رہے ہیں۔

تلمذ شاعری میں کسی استاد سے حاصل نہیں ذوق نے رہبری کی اور وہی آپ کا استاد ہے۔ میونسپل بورڈ آگرہ میں کسی معزز عہدے پر ممتاز ہیں۔

اور "تسنیم" آگرہ کی ادارت میں شریک
ذاتی حالات یہی ہیں ۔

غزل

بے تکلف پاس پہونچاتی لبِ ساحل مجھے
آہ لے ڈوبا مرا پندارِ جذبِ دل مجھے

چھٹکے منزل سے کیا مستغنیِ منزل مجھے
اب یہ دل جانے کہاں لیجا رہا ہے دل مجھے

یاں مٹا دیتا مآلِ سعیِ لاحاصل مجھے
وہ تو یہ کہیے درِ قسمت پہ لایا دل مجھے

میں کبھی باطل کو بھی حق دیکھتا ہوں اور کبھی
جو حقیقت ہے نظر آتی ہے وہ باطل مجھے

اور کیا دیتے ازل کے دن عطا فرما دیا
ایک بختِ نارسا اک ناشکیبا دل مجھے

ہوشیارِ بیخودی ہوں ورنہ [illegible] ہیں
عقل بہکاتی اگر پاتی کہیں غافل مجھے

وہمِ ہستی مجھ کو ہرگز دے نہیں ۔۔
باس لے ذوقِ فنا معلوم ہی منزل مجھے

۶۳ — مائل مین پوری

(منشی، دیبی پرشاد نام، مائل تخلص، مین پوری کے قدیم باشندے نجیب الطرفین سکسینہ کایستھ اور منشی جانکی پرشاد صاحب آنجہانی کے خلف الرشید ہیں ۔

آپ نے مکتبوں اور چند روز تحصیلی مدرسہ (مین پوری) میں علوم رسمیہ کی تحصیل کی ہے باسواد، خوش مذاق، خوشخط، خوش اخلاق، بزرگ اور پرانی صحبتوں اور بزرگان قدیم کے خلوص و محبت کی زندہ یادگار ہیں ۔

آپ کے خاندان کا آبائی پیشہ زمینداری و وکالت ہے۔ اپنی آزادہ مزاجی و خوش باشی کے سبب سے آپ نے وکالت کی الجھنوں کو پسند نہ کیا۔ اور بزرگوں کی متروکہ ملکیت و زمینداری کی آمدنی پر قانع ہیں۔ اور چشم بد دور بفراغت تمام زندگی بسر کر رہے ہیں۔

نائل صاحب کو اوائل عمر ہی میں شعر و شاعری کا چسکا پڑ گیا تھا۔ اور آپ نے ۲۰ سال کی عمر سے "عاصی" تخلص کر کے شاعری شروع کر دی تھی۔ اور آپ نے شروع شروع میں ایک صاحب کی طرف رجوع کیا جو داغ مرحوم کے شاگرد اور کوئی بڑے ہی منکسر المزاج بزرگ تھے انھوں نے داغ صاحب کے پاس آپ کی غزل بھیجدی اور آپ نواب صاحب کے حلقہ تلامذہ میں داخل ہو گئے۔ کچھ دن بعد نواب صاحب مرحوم نے نائل صاحب کو لکھا "کیا تم نے بڈھوں کا سا تخلص اختیار کیا ہے تخلص تبدیل کر دو" اور ان کی خواہش پر "نائل" تجویز فرمایا۔ گویا آپ کا تخلص عطیہ سرکار نواب فصیح الملک بہادر مرحوم ہے۔ نائل صاحب نے پہلی غزل سنہ ۱۸۹۲ء میں اصلاح کے لئے نواب داغ مرحوم کی خدمت میں بھیجی تھی۔ اور اس وقت سے سنہ ۱۹۰۵ء تک کہ اسی سنہ میں آپ کا دیوان شایع ہوا۔ تیرہ (۱۳) سال تک برابر اصلاح لیتے رہے۔ حضرت داغ نے آپ کو ہمیشہ سلیس سادہ اور روزمرہ لکھنے کی تاکید و تلقین کی۔ اور آپ نے مرحوم کی ہدایات پر برابر عمل کیا یہی وجہ ہے کہ مرحوم کے حلقہ کی خصوصیات شاعری آپ کے کلام میں سب کچھ موجود ہیں۔

(ماخوذ از "اصلاحات داغ" از کشتہ قادری۔ مشاعرہ بابتہ اپریل سنہ ۱۹۳ء)

غزل

دیکھتی تھی بزم آرائی میں کب شامل مجھے
آج حاصل ہو رہی ہے رونقِ محفل مجھے
قبر میں تنہا نہ چھوڑا اے اضطرابِ دل مجھے
تو کہاں جاتا ہے پہنچا کر سرِ منزل مجھے
جب سے آئے ہیں نظر تیرے جلوہ ہائے دل مجھے
میری منزل کا پتہ دیتی ہے ہر منزل مجھے
میرے جلووں کی تڑپ جب کر گئی بسمل تجھے
میری ہستی بھی نظر آنے لگی قاتل مجھے
در حقیقت میں بھی تیری ہی حقیقت کا ہوں راز
پھر بھی دنیا کہہ رہی ہے حق تجھے باطل مجھے
تیرا انداز بھی ہے مری آسانیاں مشکل پسند
پھر جو مشکل ہی نہیں وہ کیوں نہ ہو مشکل مجھے
آخر اپنوں کی جدائی کا یہی انجام ہے
دل کو میں روتا تھا اور اب رو رہا ہے دل مجھے
سب مجازی منزلیں نظروں سے پنہاں ہو گئیں
جب نظر آئی حقیقت میں مری منزل مجھے
کیا سمائی میری نظروں میں تجلی طور کی
جلوۂ حسنِ ازل نے کر دیا غافل مجھے
کشتیِ دل میری جب خود بن گئی موجِ فنا
اب جو آئے بھی تو کیا آئے نظر ساحل مجھے
دردِ ہجراں کے تصدق رنجِ حرماں کے نثار
آج ان دونوں نے تجھ سے کر دیا واصل مجھے
میں کسی کے تیرِ بے پروا کو کیا الزام دوں
خود مری چشمِ تماشا کر گئی بسمل مجھے
کل تو حائل قربتِ منزل بھی مجھ سے دور تھی
آج منزل بن گئی ہے دوریِ منزل مجھے

۱۳- محسن امرتسری

امرناتھ نام، محسن تخلص، امرتسر پنجاب وطن مالوف، عمر ۵۵ سال۔ آپ دیوان خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو امرتسر کا ایک نہایت شریف، معزز و متمول خاندان

ہے آپ کے آبا و اجداد ریاست کشمیر میں معقول عہدوں پر ممتاز تھے آپ کے بڑے بھائی اسی ریاست میں دیوان تھے اور ایک بھائی وزیر اعظم۔

آپ نے ڈی۔ اے۔ وی کالج لاہور میں تعلیم پائی صحت کی خرابیوں نے اس سلسلہ کو قائم نہ رہنے دیا اور آپ کو مجبوراً کالج سے علیحدگی اختیار کرنی پڑی مطالعہ کا ذوق فطری تھا جو کالج سے علیحدگی کے بعد اور بھی بڑھ گیا۔ باوجود نقصت تما آپ اس ذوق سے دست کش نہ ہو سکے۔ اور اسی کی بدولت آپ نے کالج چھوڑ کر وہ کچھ حاصل کیا جو کالج میں بھی ناممکن تھا۔ زندگی جد و جہد کا نام ہے سن تمیز پر پہنچ کر انسان کے لئے اس میں حصہ لینا لازمی ہے عموماً ہندوستانی طلبا کالج چھوڑنے کے بعد ملازمت کے خواہشمند نظر آتے ہیں لیکن آپ کا زاویہ نظر دوسرا تھا آپ نے تجارت کی طرف توجہ کی اور کچھ دنوں تک پیپلز بنک لمیٹڈ کے منیجر اور امرتسر بنک لمیٹڈ کے جنرل منیجر رہے۔ اس کام کو بھی مذاق طبع کے خلاف دیکھ کر کنارہ کشی کی اور چونکہ اسی زمانہ میں شراکت ہائے (فلم کمپنیز) کا دور دورہ ہوا۔ لہذا آپ نے اپنی تمام تر توجہ اس طرف منعطف کر دی اور خداداد ذہانت کی بدولت اس شعبہ میں بیحد کامیاب ہوئے۔ اس وقت آپ کے تین ذاتی اور کامیاب سینما امرتسر و کانپور میں موجود ہیں۔

اخلاق نہایت وسیع ہے، ہر شخص سے خندہ پیشانی سے ملتے ہیں چنانچہ اپنے طرز عمل کے متعلق خود فرماتے ہیں۔

ع امیروں میں امیرانہ فقیروں میں فقیرانہ

محسن صاحب میں شاعری کا ذوق کب اور کس طرح پیدا ہوا وہ خود بھی نہیں

بتا سکتے۔ ایام طفولیت میں شعر کہتے تھے۔ کیوں کہتے تھے کچھ معلوم نہیں۔ سن شعور کو پہونچتے ہی آپ کو پولٹیکل اور مذہبی معاملات سے دلچسپی پیدا ہوگئی۔ مختلف موضوعات پر نظمیں لکھیں جنھیں مذہبی نقطہ نگاہ سے بھی بہت پسند کیا گیا

اسی زمانہ میں ٹمپرنس سوسائٹی امرتسر کے قیام نے اس ذوق کو اور جلا دیدی، اس سوسائٹی کے مقاصد کو آپ نے نظموں کے ذریعہ سے لوگوں تک پہونچایا افسوس کہ یہ تمام نظمیں دستبرد زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکیں آپ کے دوست بابو بہاری لال صاحب آپ کا مجموعہ کلام دیکھنے کے لئے لے گئے تھے۔ انہیں ایام میں امرتسر میں مارشل لا جاری تھا۔ گھر گھر تلاشیاں ہو رہی تھیں۔ اگر کسی کے پاس کوئی پولٹیکل نظم یا کتاب پائی جاتی تھی تو ضبط کی جاتی تھی اور حامل کو علی قدر نوعیت خمیازہ بھی بھگتنا پڑتا تھا۔ بابو بہاری لال صاحب نے جب یہ نازک حالت دیکھی تو آپ کے اس مجموعہ نظم کو انتہائی افسوس کے ساتھ نذر آتش کر دیا .... ایک شاعر کو اس سے زیادہ صدمہ کیا ہو سکتا ہے کہ اس کے مجموعہ کلام جس کو اس نے نہایت محنت و جگر کاوی سے مرتب کیا ہو۔ اس طرح ضایع ہو جائے۔ جس وقت بابو بہاری لال نے آپ کو اس ضیاع کی خبر دی۔ آپ نے نہایت ہی افسردہ لہجہ میں "افسوس" کہا اور خاموش ہو گئے۔

بزم سروش امرتسر کا قیام آپ کی ادبی دلچسپی و مساعی کا عملی ثبوت ہے۔ اس انجمن کی بنیاد آپ ہی کے ذوق ادب کی رہین منت ہے روئداد سالانہ اجلاس بزم سروش ؁۳۰ء کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس انجمن کے لئے بہت کچھ کیا۔ انجمن مذکور کے صدر "بنائے بزم سروش" کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

"ان کے ساتھ ہی ایک دوسرے رفیق شفیق جناب محسن کی ترغیب بروئے کار آئی اور میں سر تسلیم خم کرکے ان کی مخلصانہ مجلس میں شریک ہو گیا۔"

آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں۔

"دیوان امرناتھ صاحب محسن نے جو بانیان بزم میں ایک معتمد فرد ہیں نہایت فراخدلی سے جلسوں کے لئے اپنا مکان پیش کیا۔ اور تمام مصارف جو حاضرین کی تواضع کے لئے مناسب تھے۔ خود برداشت کئے اور جلسے پندرہ روزہ کی بجائے ہفتہ وار ہونے لگے۔ اس سرپرستی و اعانت کے لئے بزم سروش دیوان صاحب کی مرہون منت ہے۔"

ایک جگہ اور لکھتے ہیں۔

"دیوان امرناتھ صاحب ان چند احباب میں سے ہیں جن کی مساعی جمیلہ اور اشتراک عمل پر بزم سروش امرتسر کی حیات و بقا کا مدار ہے۔"

آپ کی شاعری صاف، ستھرے، پاکیزہ جذبات سے مملو ہے۔ جو کچھ کہتے ہیں سہل ممتنع ہوتا ہے۔ زبان پر آپ کو قدرت خاص حاصل ہے۔ جام جہاں نما لکھنؤ کا دعویٰ بالکل صحیح ہے کہ "کیا کوئی اہل زبان اس سے اچھی زبان پیش کر سکتا ہے؟" چند غزلیں جناب امیر مینائی مرحوم اعلی اللہ مقامہ کو دکھائیں اس کے بعد اتفاق نہ ہو سکا۔ جو کچھ کہا اپنی ذمہ داری پر کہا۔ امیر مینائی مرحوم کے آپ خاص طور سے معتقد ہیں، نثر بھی لکھتے ہیں اور آپ کے کئی ڈرامے اسٹیج پر آکر کافی شہرت حاصل کر چکے ہیں۔ آئینہ ہند، تحفہ محسن، قتل معصوم وغیرہ آپ کی تصانیف میں سے ہیں۔ آپ نے متعدد انگریزی کتب کے ترجمے بھی کئے ہیں چنانچہ سرکینن ڈائل

کا ناول اسٹڈی ان اسکارلٹ اور لینڈ آف مرشائیں خصوصیت سے قابل ذکر ہیں
آپ کا دیوان مرتب ہو رہا ہے جو عنقریب شائع ہو کر شائقین ادب کی ضیافت طبع کا
باعث ہوگا۔

غزل

دامِ صد افکار ہے ہر عقدۂ مشکل مجھے
اب رہا کردے یہ طلسمِ ہستیِ باطل مجھے
یہ نہ خرمن سوز ہے میرا ہی سوزِ دل مجھے
جز یہ ہستی سے آخر یہ ہوا حاصل مجھے
دارِ فانی کی مسافت ہے قریبِ اختتام
آرہی ہے یاد پھر بھولی ہوئی منزل مجھے
دو گھڑی کے واسطے مل جائے یارائے سخن
آج کہنا ہے کسی سے ماجرائے دل مجھے
واقفِ دیر و حرم لاکھوں ملے تو کیا ملے
ایک ہی کافی تھا ملتا آشنائے دل مجھے
شیخ جس نے خود نہیں پی اور نہ پلوائی کبھی
وہ لیے گا شربِ مے کے باب میں قائل مجھے
از پئے دیدارِ لیلیٰ تھیں نہ کچھ دشواریاں
خامیِ جذبہ مری تھی پردۂ محمل مجھے
فکر کیا ہے خود ہی کر لے گی شریکِ دور بھی
وہ کشش جو کھینچ لائی تا درِ محفل مجھے
پر دیئے ہیں جس نے دیگا قوتِ پرواز بھی
کیوں ڈرا دیں کیوں ڈرائے دوریِ منزل مجھے
امتیازِ حق و باطل ہے تو اس کے دم سے ہے
جادۂ صد رہبری ہے جلوۂ باطل مجھے
گر نہیں بادِ موافق جوشِ طوفاں ہی سہی
کوئی تو پہونچا ہی دیگا تا لبِ ساحل مجھے
تھا وفورِ شادمانی موجبِ صد اضطراب
رکھ دیا قاتل نے خنجر جان کر بسمل مجھے
پار کیا، منجدھار کیا، ہے اک فریبِ امتیاز
یہ بھی اک ساحل مجھے ہے وہ بھی اک ساحل مجھے
یا شریکِ دور کر لے یا اٹھا دے بزم سے
کیوں بنا رکھا ہے اے ساقی حدِ فاصل مجھے

نقش پائے رفتگاں محسن ہے تیرا رہنما   کیا ہے گر ملتا نہیں سنگِ رہِ منزل مجھے

۹۷ - محفوظ

زندگی کیا موت بھی اب [illegible] ہے مجھے   تیری الفت نے نہیں رکھا کسی قابل مجھے
[illegible] مجھے   اس سے کیا [illegible] کوئی کہہ دے قاتل مجھے
کر نہ مجبور اس قدر اے اضطرابِ دل مجھے   آہ کرنا بھی ہوئی جاتی ہے اب مشکل مجھے
تو بھی ہو دل میں [illegible] غم بھی دے   کیا کہوں کس طرح کا حق نے دیا ہے دل مجھے
ایک دل [illegible] کی تمنا [illegible]   کاش ہو جائے عطا دو چار اور دل مجھے
[illegible]   آپ کی خواہش سے اب [illegible] دل مجھے
کیوں نظر [illegible]   تیری قدرت نے بنایا ہے ترا قائل مجھے
حاصلِ الفت [illegible]   [illegible] حاصل مجھے
[illegible]   اے خوشا قسمت کہ سمجھا تو کسی قابل مجھے
[illegible] کی شان ہے   کر گئے دل لے کے وہ محفوظ [illegible] مجھے

۹۸ - منشی مشتاق احمد کلارک پولیس مین پوری (یو پی)

[illegible]   [illegible] دل مجھے
[illegible]   [illegible] مجھے
[illegible]   [illegible] منزل مجھے
زندگی [illegible] مجھے   [illegible] آشنا [illegible] مجھے

آگیا ہاں آگیا رحم ان کو حالت پر مری   مل گیا ہاں مل گیا اب زیست کا حاصل مجھے
بیٹھنے دیتی نہیں وحشت مجھے دم بھر کہیں   چین لینے ہی نہیں دیتا ہو دردِ دل مجھے
نزع کے عالم میں یہ کہتا کسی کا بار بار   قبر میں کیوں چین لینے دیگا دردِ دل مجھے
المدد اے بیخودیِ شوق منزل المدد   کالے کوسوں ہو گئی ہے عشق کی منزل مجھے
ابروئے خمدار کا دیتے جو دیکھا واسطہ   کر دیا مشتاق ماہِ نو نے بھی بسمل مجھے

۹۶ - معین فرخ آبادی

معین الرحمٰن خاں نام، والد کا نام عبد الرحمٰن خاں پیدائش سنہ ۱۹۰۵ء بمقام منصوری اصل وطن فرخ آباد۔ پانچ سال سے شعر کا شوق ہے اکثر مشاعروں میں شرکت کا اتفاق رہتا ہے۔ عرصہ تک آپ ہفتہ وار حبیب فرخ آباد کے مدیر معاون کی حیثیت سے کام کرتے رہے ہیں۔

غزل

یاس دل سے کہہ رہی ہے مل چکی منزل مجھے   اب کہاں لیجائیگی یہ سعیِ لاحاصل مجھے
اب نظر آیا جنونِ شوق کا حاصل مجھے   فکرِ منزل کر گئی گم کردۂ منزل مجھے
مجھ کو بیخود کر گئی اس درجہ کیفِ یادِ دوست   موت میں اب زندگی کا لطف ہے حاصل مجھے
میں کہیں جاؤں یہ ظالم یہ سوچتا ہی نہیں   چین سے رہنے نہیں دیتا ہے میرا دل مجھے
وہ نہ آئیں گے نہ یہ بدبخت پائیگا سکون   اعتبار ان کا نہ اب ہے اعتبارِ دل مجھے
کس قدر تسکین کا ساماں ہے آغوشِ موج   ڈوب کر شاید نظر آنے لگا ساحل مجھے

سوختہ سامان پروانوں میں ہوگا دل معین دیکھنا ہے غور سے خاکستر محفل مجھے

۹۶ - میکش اکبرآبادی

محمد علی شاہ نام، میکش تخلص، سید اصغر علی شاہ مرحوم و مغفور کے خلف اکبر، متوطن اکبرآباد ہیں۔ آپ کے آبا و اجداد علوم ظاہری و باطنی میں سربرآوردہ اور ممتاز بزرگ تھے۔ آپ کے جد امجد سید امجد علی شاہ صاحب مرحوم و مغفور تک تمامی سجادگان خصوصی اکبرآباد کا سلسلہ ارادت منتہی ہوتا ہے۔ اس لئے اور اس لئے کہ علاوہ پیری مریدی کے آپ کے آبا و اجداد پچھلی صدی عیسوی میں حامل عنان حکومت شہر بھی رہ چکے ہیں کیا بحیثیت علم و فضل ظاہری و باطنی اور کیا بلحاظ امارت، ریاست و سیاست تمام اہالیان ارض و تاج آپ کے گھرانے کا نام عقیدت و دل کے ساتھ لیتے ہیں۔

جناب میکش ۱۹۰۲ء میں بمقام آگرہ پیدا ہوئے۔ والد بزرگوار کا سایہ عالم طفلی میں سر سے اٹھ گیا اور آپ کی تعلیم و تربیت کی تمام تر ذمہ داریاں آپ کی والدہ ماجدہ کے ذمہ عائد ہوگئیں۔ ابتدائی اور اوسط تعلیم مکان پر ہوئی اور ۱۹۲۲ء میں مدرسہ عالیہ آگرہ سے تکمیل علوم ظاہر کے بعد سند فضیلت حاصل کی۔ باوجود خاندانی افضلیت کے خانقاہ بریلی شریف سے طالبانہ طور پر کسب فضائل باطن کیا۔ صاحب سجادہ ہیں۔ اور اس نوجوانی میں امراض پیرزادگان سے پاک، صنعت سے مبرا، خشک مزاجی اور بہ تکلف خود کو [illegible] انسانیت ثابت کرنے سے مجتنب اس قدر پاکباز و صالح ہیں کہ آپ کا جواب مشکل سے ملیگا۔

شاعری کا شوق بچپن ہی سے تھا۔ اور چونکہ اصلاح لینا ترک کر دیا ایک عرصہ تک علمی و ادبی مجلسوں یا مشاعروں سے الگ تھلگ گوشہ تنہائی میں کتب بینی و مطالعہ [illegible] رنگ خاص پیدا کر لیا [illegible] صاحب دیوان ہیں [illegible] کلام [illegible] طباعت کے آخری مراحل طے کر رہا ہے اور عنقریب [illegible] پریس آگرہ سے شائع ہونے والا ہے۔

جناب بیکل کے ہاں عاشق کے معشوق کی ترجمانی جذبات عزت نفس و خودداری کی بجائے ایک جداگانہ اور محفوظ دائرے میں پہونچا دیتی ہے۔ گو انگریزی سے ناآشنا [illegible] ہیں مگر [illegible] ہیں تخمیس لکھنے سے معذور نہیں [illegible] آپ کی تخمیس اور [illegible] رسائل میں شائع ہو کر مقبولیت حاصل کر چکی ہیں۔

شاہ صاحب موصوف ایک نہایت خوش اخلاق اور پرخلوص ہستی ہیں۔ زبان میں لکنت ہے اس لئے خود مشاعروں میں غزل نہیں پڑھتے ہیں۔ غریب گھرانے [illegible] قانع و فارغ البال اور درویشانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ آپ کے چھوٹے بھائی میاں احمد علی شاہ صاحب تخلص واصل [illegible] اپنے استاد [illegible] کے قدم بقدم پر ایک بہت ہی ذہین [illegible] نوجوان [illegible] آگرہ میں وکالت شروع کرکے [illegible] شان پیدا کر دی تھی لیکن [illegible] قلب [illegible] آپ [illegible] عمر [illegible] ہیں۔

غزل

بعد کشتن بھی گماں کرتا ہے تو بسمل مجھے
اپنی صورت سے ملا کر دیکھ اب قاتل مجھے
مجھ کو دنیا نے محبت پایا مگر کھویا ہوا
تھی وہیں خلوت جہاں یاد آئی وہ محفل مجھے
میں دلیل مدعا ہوں میں جواب [illegible]
[illegible] آئینہ [illegible] ہوں کچھ نہیں حاصل مجھے
مجھ سے منزل کا تعین مجھ سے منزل [illegible]
چاہیے گر اپنے کو پانا ڈھونڈھ لے منزل مجھے
بیخودی میری تری بیگانگی [illegible] سے ہیں
دے رہی ہے دعوت خلوت تری محفل مجھے
دیر تک بیتاب رہتا غافل میں یا اعلان سوز
دیر تک دیکھا کیا وہ جان کر غافل مجھے
تیرے جلوے کی عنایت یا حسرت دل [illegible]
آئینہ ہر ذرہ نظر آیا جواب دل مجھے
مرحبا میکش تری دیوانگی مقبول ہے
بو سے جاں آتی تجھ میں بوئے دل سے مجھے

۹۰- نادر سیلن پوری

پیشِ داور بھی تصور کر گیا بسمل مجھے
حشر کے پردے میں بھی آیا نظر قاتل مجھے
ہر ادائے جلوہ تیری بن گئی قاتل مجھے
یعنی خود میری نگاہوں نے کیا بسمل مجھے
غرق ہو کر بحرِ غم میں یہ ہوا حاصل مجھے
کھینچ کر لائی ہے خود بیتابی ساحل مجھے
کر کے پابند عناصر دیکے دردِ دل مجھے
خود کیا ہے انتخاب حسن کے قابل مجھے
بحرِ رحمت کے شناور قطرہائے اشک تھے
کھینچ لائے بحرِ عصیاں سے لبِ ساحل مجھے
دشت ہو میں یوسفِ گم گشتہ کا پا کر پتہ
آرزوئے شوق میں خود لے اڑی منزل مجھے
ہے نظر خیرہ فروغِ حسن سے اس دشت میں
صد شعاعِ مہر ہے ہر ذرۂ منزل مجھے

کیا قیامت [illegible] تم نے حشر اور محشر میں
گو نہ چشمِ پشیماں سے کیا بسمل مجھے

تیری وحشت سے اٹھی کچھ ایسی موجِ غم
دیکھ کر روتے ہیں خارِ وادیِ ساحل مجھے

ہستیِ دل [illegible] نغمۂ سازِ الست
مستیِ غم نے کیا ہر سوز میں شامل مجھے

پڑھتا جاتا ہے [illegible] حدیثِ دردِ دل
سرخیِ افسانہ ہے افسانہ کا حاصل مجھے

کیا خبر تھی کہ خود شوقِ شہادت لے اڑا
کھینچ لایا یا کہ جذبِ خنجرِ قاتل مجھے

۹۶۔ تازہ [illegible]

خوگرِ رنج و الم آیا نظر جب دل مجھے
ہو گئی آسان دنیا بھر کی ہر مشکل مجھے

ڈوب کر دیکھا تو یہ حاصل ہوا اے دل مجھے
بن گئی ہر موجِ دریا اک نیا ساحل مجھے

عشق میں تیرے ہوا یہ مرتبہ حاصل مجھے
ذرہ ذرہ میں نظر آئی مری منزل مجھے

بڑھتے بڑھتے اس قدر مشقِ تصور بڑھ گئی
وصلِ جاناں آج گھر بیٹھے ہوا حاصل مجھے

پردۂ غفلت اٹھا جب خانۂ دل سے مرے
لطفِ جلوہ ذرہ ذرہ سے ہوا حاصل مجھے

مجھ سے پہلے دل نے لوٹے وصلِ جاناں کے مزے
جو بڑا ناداں تھا وہ ثابت ہوا عاقل مجھے

مٹ گیا جب خانۂ دل سے اسیری کا خیال
لطفِ آزادی ہے پھر زنداں میں بھی حاصل مجھے

تیری لامحدود ہستی کا پتہ پھر چل گیا
ذرہ ذرہ تجھ سے جب آیا نظر واصل مجھے

[illegible] جستجوئے یار میں
اب ہر اک نقشِ قدم میرا ہی خود منزل مجھے

مجھ کو گھر بیٹھے ہوئی سیرِ بیاباں پھر نصیب
جب کمالِ جوشِ وحشت ہو گیا حاصل مجھے

شکوۂ [illegible] تھا کس منہ سے اب تجھ سے کروں
قتل کی حسرت ہی خود لائی ہے اے قاتل مجھے

کوئی کہتا ہے نرالی شان ہے میری بھی ناز
دیکھتا ہے اک جدا تو دوسرا شامل مجھے

ایک عالم کی نگاہیں مجھ پہ پھر پڑنے لگیں　　وصل جاناں ہو گیا اے نازؔ جب حاصل مجھے

۷۰۔ ناشاد، رحید آبادی سکینہ بیگم پوری)

وہ نگاہِ ناز ایسا کر گئی بسمل مجھے　　ذرہ ذرہ میں نظر آنے لگا قاتل مجھے
سارا عالم ہے پریشاں دیکھ کر بسمل مجھے　　کیا تماشا ہے نظر آتا نہیں قاتل مجھے
بعد مردن قبر میں آرام سے آتی ہے نیند　　عیش منزل کیوں نہ ہو جائے مری منزل مجھے
کوئی مشکل ہو کبھی محسوس ہوتی ہی نہیں　　کیوں نہ پھر آساں ہو دنیا کی ہر مشکل مجھے
یا الٰہی کیا کوئی انداز ستم یاد آ گیا　　ان کے گھر اب کیوں لئے جاتا ہے میرا دل مجھے
ہوش آنے پر بھی میں ہوتا نہیں غیرت پسند　　ہوشیاری نے کیا اب اور بھی غافل مجھے
ان سے کیا ناشادؔ ان کے ہجر کا شکوہ کروں　　جب دعا دینے لگا کمبخت میرا دل مجھے

۷۱۔ نازک شکوہ آبادی

عباد اللہ نام، قاضی محمد ارادت اللہ "ارادت" شکوہ آبادی مرحوم کے جو ایک نعت گو بزرگ تھے، خلفِ اکبر اور باشندہ شکوہ آباد ہیں۔ آپ کے آبا و اجداد عربی، فارسی، خوشخطی کے ماہر اور شاعر خوشگو معلمی پیشہ منصب قضائے شکوہ آباد پر ممتاز اور علمی خدمات کے سلسلہ میں شاہان مغلیہ کے جاگیردار تھے

آپ کے جد امجد قاضی "قدرت اللہ" مرحوم نے "گلستان سعدی" کو فارسی میں منظوم کیا تھا جس کی اشاعت سے پہلے پہلے ہی رہگزرائے عالم باقی ہو گئے

آپ کے والد ماجد مولانا فضل احمد خاں صاحب مرحوم کے خلیفہ، سرکاری

ملازمت نہ آمدنی زمینداری پر قانع ایک فقیر منش بزرگ تھے۔

نازک صاحب ۱۲ دسمبر ۱۸۹۴ء کو اپنے وطن مالیقت میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں والد بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ والدہ ماجدہ کے زیر نظر تعلیم و تربیت پائی ۱۹۱۰ء میں اردو مڈل، ۱۹۲۴ء میں زبان اردو اور ۱۹۲۵ء میں زبان ہندی دی۔ ٹی سی اور ۱۹۲۹ء میں ایڈوانسڈ ان اردو پاس کیا فرسٹ ایڈ کے امتحان میں بھی کامیابی حاصل کی ہے۔ مدرسہ ڈسٹرکٹ بورڈ شکوہ آباد میں بعہدہ مدرسی ملازم اور بہت اچھے خوشنویس ہیں۔

حکیم محمد منیع احمد صاحب نوشؔ[1] شکوہ آبادی مرحوم کی مکرر سہ کرر تاکیدوں پر شاعری کی جانب متوجہ ہوئے اور ابتداءً مرحوم ہی سے اصلاح بھی لیتے رہے ۱۹۲۱ء میں شیدا اٹاوی کے توسط سے حضرت احسنؔ مارہروی کے زمرۂ تلامذہ میں داخل ہو گئے۔

غزل

بخت برگشتہ سے لذت کش ملا ہے دل مجھے
میری مشکل ہو گئی یوں اور بھی مشکل مجھے

---

[1] افسوس ہے کہ حکیم صاحب کے حالات یا موصوف کے کلام کی اشاعت کی جانب حضرات شکوہ آباد میں سے کسی نے توجہ نہ کی۔ اگر کچھ دنوں اور بے اعتنائی برتی گئی تو جو محفوظ ہو گا وہ بھی ضائع ہو جائے گا۔ اگر 'نازک' صاحب اس طرف توجہ کریں تو دشوار نہیں اس طرح حق شاگردی بھی ادا ہو جائے گا۔ بلکہ شعرائے شکوہ آباد کے سلسلہ کی ایک کڑی دست برد زمانہ سے محفوظ ہو جائے گی۔

ع مانو نہ مانو جان جہاں تم کو اختیار

(ناچیز "مرتب")

اپنی محفل میں بلایا تو نے کب قاتل مجھے
کھینچ کر لایا ہے تجھ تک جذبۂ آب و گل مجھے

پہلے جس کا تیرِ نظر نے کر دیا گھائل مجھے
رہ کے دل میں اب نظر آتا ہے وہ اک دل مجھے

آنکھ ایسی کر عطا اے مرشدِ کامل مجھے
ذرہ ذرہ میں نظر آنے لگے اک دل مجھے

عشق میں ہوتی نہ کیونکر زندگی مشکل مجھے
ہر ادائے دلنوازی ہو گئی قاتل مجھے

ہوش میں لانے کی اک تدبیر ہے منہ پھیر لو
سامنے جب تک رہو گے پاؤ گے غافل مجھے

پھر تڑپنے تلملانے کا تماشہ دیکھنا
پہلے اک ترچھی نظر سے کر بھی دو بسمل مجھے

ہے تلاشِ یار میں معجز نما میری نظر
جس جگہ ٹھٹکی نظر آیا وہیں محمل مجھے

قلزمِ الفت میں آخر ڈوب کر یہ تھاہ لی
دور جتنا تھا قریب آیا نظر ساحل مجھے

ہے تجسس کا یہ عالم پھر کسی کے عشق میں
تنگ آتی ہے نظر اب وسعتِ منزل مجھے

بے طلب اکثر عطا کرتا رہا میرا کریم
ہاتھ کھینچا اس نے نازک جانکر سائل مجھے

۴۵۔ نذیر خلیلی قائمگنجی

نذیر محمد خاں نام، نذیر تخلص حضرت شاہ خلیل احمد صاحب صفی پوری رحمۃ اللہ علیہ سے شرفِ بیعت حاصل ہونے کی وجہ سے خود کو خلیلی لکھتے ہیں آپ بمقام ریاست اندور جہاں آپ کے والد و دادا صاحب جلیل القدر عہدوں پر ملازم تھے ۱۹۲۵ء میں پیدا ہوئے، وطنِ آبائی قائم گنج ضلع فرخ آباد ہے۔ افغانان آفریدی سے ہیں۔ ابتدائی عمر میں تعلیم قرآن شریف حاصل کر کے اردو، فارسی کی کتابیں خانگی طور پر پڑھیں۔ اور جب آپ کے والد صاحب قبلہ ملازمت ترک کر کے اپنے آبائی وطن قائم گنج میں آئے تو سرکاری مدرسہ میں داخل ہو کر ۱۹۴۰ء میں امتحان

مڈل ورناکیولر پاس کیا۔ ہندی سے بھی کما حقہٗ واقف ہیں اور قدرے انگریزی میں بھی دخل رکھتے ہیں۔ مطالعہ کتب و علمی مشاغل برابر جاری رہتے ہیں۔

۴۲ء میں جوائنٹ ایڈیٹر اخبار "حبیب" فرخ آباد ہوئے اور اپریل ۴۳ء میں اخبار مذکور کی مدیر اعلیٰ کی خدمات قبول کرلیں۔ مشاعروں میں برابر شرکت کرتے رہتے ہیں۔ صاحب دیوان بھی ہیں، اردو، ہندی، فارسی غزلیات بکثرت موجود ہیں۔ آپ کا کلام زیادہ تر تصوف آمیز ہوتا ہے۔ کم و بیش (۲۰) سال سے مشغلہ شعر و شاعری جاری ہے۔ اس وقت عمر ۳۶ سال ہے، فرخ آباد کی علمی، ادبی، قومی کاموں میں برابر حصہ لیتے ہیں۔

غزل

دے رہی ہے کیوں فریب سعیِ لاحاصل مجھے
ہائے مرنے بھی نہ دے گی آرزوئے دل مجھے
شوقِ سجدہ نے نہ رکھا ضبط کے قابل مجھے
آج کرنا ہی پڑا افشائے رازِ دل مجھے
بدگمانِ عشق ہو کر یہ ملا حاصل مجھے
اب کسی صورت نہیں ہے اعتبارِ دل مجھے
دم تو لینے دے ہجومِ آرزوئے دل مجھے
آمد و رفتِ نفس بھی ہو گئی مشکل مجھے
دیکھنا ہے انتہائے گرمیِ محفل مجھے
اے مغنی! چھیڑنا ہے آج سازِ دل مجھے
واہ رے جذبِ شہادت اُف ری تاثیرِ کشش
کھینچتی ہے خود زمینِ کوچۂ قاتل مجھے
آخری منزل پہ بھی ٹلتے نہیں تیرے قدم
اب کہاں لیجائے گا اے اضطرابِ دل مجھے
پھر دکھا دوں گا میں زاہد جلوۂ حق بے حجاب
دور کر لینے دے وہمِ ہستیِ باطل مجھے

ہر ذرہ مجھے دے رہا ہے صاف پیغام حیات   راس آئی ہے ہولنے کو جفا قاتل سے مجھے
دیکھنا محرومی شوق شہادت دیکھنا   نیند آئی ہے قریب کوچۂ قاتل مجھے
میں بھی کیا گم کردۂ راہِ محبت ہوں نئے   ڈھونڈتا پھرتا ہوں میں منزل کو اور منزل سے مجھے

۴۶ ۔ [illegible] تشنہ

نقشۂ دنیا نظر آنے لگا باطل مجھے   مل گیا دونوں جہاں کا ایک سے حاصل مجھے
بحرِ غم سے جب میں ابھرا مل گیا ساحل مجھے   چشمِ حق بیں نے دکھایا مقصدِ منزل مجھے
بیخودی عشق نے جب کردیا عاقل مجھے   ذرۂ ہستی مرا آیا نظر کامل مجھے
خانۂ منعم ہوا یا ہو ایک مفلس کا مکان   خوبیٔ دنیا نے آخر ہی کیا سائل مجھے
روشنی حسن بڑھ کر بن گئی جب نور دل   پھر نہ لیلیٰ سے نہاں کیا دور سے محمل مجھے
کچھ عجب ہے کشمکش پابندی دنیا سے آہ   کس طرف لیجا سکا اللہ میرا دل سے مجھے
تیری غفاری کے صدقے تیری بخشش کے نثار   مغفرت میں تیری رحمت نے کیا شامل مجھے
ہر جگہ جلوہ نما تو ہر ادا میں ہے مگر   دور رکھتا ہے مرا ہی پردۂ حائل مجھے
مصلحت تیری یہ تھی اور یہ ترا انصاف تھا   سمجھا جو کچھ دیا تو نے مرے قابل مجھے
عین غفلت ہے جہاں میں ہوشیاری کی دلیل   بیخودی حسن نے اب کردیا کامل مجھے
عشق جب تک خام ہے نشتر ہیں لاکھوں مشکلیں   جب یہ پختہ ہو گیا پھر کچھ نہیں مشکل مجھے

۴۷ ۔ نشاط (عبدالشکور)

تیری شمشیر نظر نے کردیا بسمل مجھے   کس لئے خنجر دکھاتا ہے تو اے قاتل مجھے

بیخودی وحشت میں کیا کیا نہ ستم ڈھا گئے
اپنی آنکھوں میں نظر آنے لگا قاتل مجھے

شیشۂ دل پر پڑا جب تیرے میخانے کا عکس
جام رنگیں بن گئے ہیں پتلیوں کے تل مجھے

مجھ کو تڑپانے لگی جب لذت آزار درد
اک نئے انداز سے اس نے کیا بسمل مجھے

خوب ظاہر ان حسینوں کی محبت ہو گئی
بیٹھے بٹھلائے کیا زنجیر کے قابل مجھے

پی کے بھی میخانۂ دنیا میں جب غافل ہوا
کر گئی ہشیار میری [illegible] دل مجھے

عشق شیریں میں گنوائی جان بھی فرہاد نے
یہ ہوا شیریں لبوں سے اک سبق حاصل مجھے

بحر الفت میں ہوا جب غرق تو بولا یہ قیس
اللہ اللہ دید لیلیٰ بن گئی ساحل مجھے

یعنی وہ لقمان ثانی احمد عالی مقام
میری قسمت سے ملے ہیں رہبر کامل مجھے

میں کوئی عالم نہیں ہے ابتدا میری نشاط
کہہ بھی دے بزم سخن داں میں کوئی جاہل مجھے

۷۵- نصیر علوی

سید نصیر الدین نام، سید زین العابدین بی۔ اے (آنرز) اولڈ بوائے علیگڑھ اور مقیم حال فرخ آباد کے صاحبزادے اور سادات علویہ و پیرزادگان میگو ضلع اعظم گڈھ سے ہیں۔ آپ کے جد امجد بحیثیت پیر ہمایوں شہنشاہ دولت مغلیہ ہندوستان کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے تھے جن کا مزار پر انوار میگو میں واقع اور مرجع انام ہے۔ اس وقت سے اس وقت تک ہر حکومت کی نظر میں آپ کا خاندان معزز اور ہر زمانہ میں اعلیٰ عہدوں پر ممتاز رہا۔

نصیر صاحب ۱۸۹۶ء میں بمقام میگو پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم خانگی طور پر حاصل کی۔ پھر گورنمنٹ اسکول جونپور اور مشن اسکول فرخ آباد میں

تعلیم پائی علی گڑھ کالج سے ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی کی ڈگری حاصل کی۔

۱۹۲۰ء سے ۱۹۲۳ء تک وکالت کرتے رہے۔ ۲۶ جنوری ۱۹۲۴ء سے منصف ہیں اس دوران میں آپ ۱۹۲۶ء سے ۱۹۲۹ء تک "انسپکٹر رجسٹریشن" بھی رہ چکے ہیں۔

علاوہ صحیح معنوں میں "منصف" ہونے کے ادبی دنیا میں ایک ممتاز، اور ادب نوازی و تربیت ادبا میں ایک بے مثل ہستی ہیں۔ اس مرتبہ پر پہونچکر بھی ایک ہمدرد، بزرگ، نوع اور خوش اخلاق ہستی ہیں۔ آج کل "مین پوری" میں فرائض "منصفی" انجام دے رہے ہیں۔

نصیر صاحب کی شاعری کی ابتدا تو علی گڑھ کالج کی طالب علمانہ زندگی ہی میں ہو گئی تھی۔ اور آپ محض تفنن طبع کے لئے اکثر ہنگام خوش طبعی مذاحیہ نظمیں اور قصیدے لکھا کرتے تھے کبھی کبھی مواقع ضروریات پر آپ نے سنجیدہ اور متین شاعری بھی کی۔ لیکن یہ سب کچھ در پردہ ہوتا تھا۔ ۱۹۲۷ء میں آپ کے جوہر طبع رنگ لائے اور آپ نے غزل گوئی شروع کر دی۔ کبھی کسی سے اصلاح نہیں لی۔ بلکہ متواتر علمی صحبتوں کی شرکت، طبعی انصاف پسندی اور نکتہ سنجی سے خود ہی اپنی اصلاح کرتے رہے۔ شاعری مشغلہ مستقل نہیں۔ ہاں موقع آپڑتا ہے اور فرائض منصبی سے فرصت بھی ہوتی ہے تو اس طرف بھی متوجہ ہو جاتے ہیں۔ جناب ظہیر علوی ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی وکیل مین پوری اور مدیر رسالہ "مشاعرہ" فرخ کے اخ معظم ہیں

(از جناب کشتہ قادری)

غزل

جانتا تھا میں کہ واں پیش آئے گی مشکل مجھے ہے مرا شوقِ طلب اک سعیِ لاحاصل مجھے
جیش دشمن چھیڑتے ہیں وہ سرِ محفل مجھے راس کیا آئی ہوائے کوچۂ قاتل مجھے
میں سمجھتا تھا جو کچھ سمجھا رہا تھا دل مجھے

زیرِ خنجر نیند آئی ہے دمِ بسمل مجھے رنجِ بے پایاں ہے گویا راحتِ کامل مجھے
ناامیدی ہے امید اور بحر ہے ساحل مجھے بن گیا مشکل پسند ایسا دلِ [illegible] مجھے
اب نظر آنے لگی آسان ہر مشکل مجھے

یوں تو تیرے عشق میں ہیں جان کے دشمن سبھی اک قیامت ہو گئی ہے حق میں میرے دوستی
یہ مگر طرفہ ستم ہے یہ مصیبت ہی نئی چین سے جینے نہیں دیتے زمانے میں کبھی
ایک تیری یاد کا فکر ایک میرا دل مجھے

میں نے مانا اے دلِ ناداں بہت تیرا کہا ساتھ تیرے عمر بھر میں کو بہ کو پھرتا رہا
جان و دل سے تھی مگر جس کی طلب وہ مل گیا منزلِ جاناں سے بھی آگے کوئی منزل ہے کیا
اب کہاں لے کر چلا ہے اضطرابِ دل مجھے

کرتے ہیں جور و ستم عشاق پر اکثر حسین کر کے گھائل یوں بھی کوئی چھوڑ دیتا ہے کہیں
دم نہ نکلا دل کی ساری حسرتیں دل میں رہیں اک جھلک دکھلا کے ظالم تو نے آنکھیں پھیر لیں
میں ترے قربان جاؤں قتل کر قاتل مجھے

تھی مگر مجموعۂ آلام میری آب و گِل میں فقط یادِ دمِ آخر سے بہلاتا تھا دل
میری ہستی تھی مرے حق میں بلائے جاں گسل زندگی تھی رنج و غم کی داستانِ مستقل
موت کی امید ہی تھی عشرتِ کامل مجھے

کون شے ہے ڈھونڈھنے والے سے جو مفقود ہو
گر طلب میں صدق ہو معدوم بھی موجود ہے
خیر کرتا تھا تلاشِ یار ہی بے سود ہے
جو قدم اٹھتا ہے اب وہ منزلِ مقصود ہے
یہ نظر آیا جنونِ شوق کا حاصل مجھے

دل لگی کرتا ہے کوئی دل جلوں سے بھی بھلا
لاکھ سمجھایا مگر مانا نہیں میرا کہا
اب کفِ افسوس ملنے سے بھلا ہوتا ہی کیا
مسکرائے ۔ حال پوچھا تم نے اور میں ہو گیا
ہر ادائے دلنوازی ہو گئی قاتل مجھے

ہائے وہ منظر جہاں پر میں ہوا گھایل نصیر
کس مزے سے لوٹتا تھا ہو کے میں بسمل نصیر
پھر تڑپ اٹھا وہ میرا چوٹ کھایا دل نصیر
یاد آتی ہے وہ حسن و عشق کی محفل نصیر
جس میں پیغامِ اجل دینے چلا تھا دل مجھے

۷۶۔ نوشاہ اکابری مارہروی

عبدالقدیر نام، نوشاہ عرف، شیخ فاروقی اور مارہرہ (ضلع ایٹہ) کے مشہور خاندان اکابری سے ہیں۔

آپ ۱۸۹۸ء میں بمقام مارہرہ پیدا ہوئے۔ اردو، فارسی کی تعلیم اچھے پیمانہ پر پائی ہے۔ موسیقی سے ذوق خاص رکھتے ہیں۔

شاعری شغل خاندانی ہے۔ حضرت احسن مارہروی کے تلامذہ میں سے ہیں۔ حضرت دبیر سے بھی نسبت تلمذ رکھتے ہیں۔ گو ہندی کی باقاعدہ تعلیم نہیں پائی۔ لیکن موسیقی کی برکات کہ ہندی بھجن، خیال اور ٹھمریاں بھی بہت اچھی تصنیف کرتے ہیں۔

غزل

آرہا ہے پھر خیالِ ناوکِ قاتل مجھے
دیکھئے اب کیا دکھاتا ہے مذاقِ دل مجھے

چین سے جنت میں بھی رہنے نہ دیگا دل مجھے
یاد آئے گی تری رنگینیِ محفل مجھے

اب نظر آتی نہیں پہلو میں شکلِ دل مجھے
اے نگاہِ ناز تو نے کر دیا قائل مجھے

ذرہ ذرہ پر بچھا دوں گا بساطِ درد و غم
مختصر کرنی پڑے گی داستانِ دل مجھے

یہ مری قسمت کہ ہوش آیا تری آغوش میں
یہ تری غفلت کہ تو سمجھے رہا غافل مجھے

اور مری مشقِ تصور آ تجھے سجدے کروں
تیرے دم سے آج سب کچھ ہو گیا حاصل مجھے

کس میرسی تھی مگر اے عشق کیا کہنا ترا
تیری وحشت نے بنایا رونقِ محفل مجھے

آج پھر اٹھتا نظر آتا ہے حشرِ اضطراب
آج پھر بڑھتا نظر آتا ہے دردِ دل مجھے

جمع کر لوں آج پھر دل کی امیدوں کے حواس
آج پھر ہونا ہے اس کی بزم میں شامل مجھے

ایک سی دونوں کی کیفیت ہے اس کے عشق میں
دل کو اے نوشاہ ہیں رہتا ہو میرا دل مجھے

'' نکیلے سین پوری

زندگی میں موت کی کرنی ہے طے منزل مجھے
جھیلنی ہے مشکلوں میں یہ بھی اک مشکل مجھے

تول کر پر سے اُڑا پھر ناوکِ قاتل مجھے
سوئے مقتل لیچلا پھر پابجولاں دل مجھے

یہ بھی کیا طرزِ جفا تھی چھوڑنا بسمل مجھے
ذبح کر دینا تھا بالکل تجھکو اے قاتل مجھے

ناز نے گھائل کیا انداز نے بسمل مجھے
ہر ادائے دلنوازی ہو گئی قاتل مجھے

کوئی بھی مشکل نہ ہو محسوس پھر مشکل مجھے
کاش اپنے ہوش میں رہنے دے میرا دل مجھے

پاؤں تھا پر کیا لگا تھا آ گئی منزل مجھے
ڈوب جانے پر ملا ساحل تہ ساحل مجھے
کر رہی ہیں آرزوئیں میری خود بسمل مجھے
اب تو ہر ارمان دل ہے ناوک قاتل مجھے
خود مٹانے پر تلا ہے اب تو اپنا دل مجھے
نام کو بھی اب نہیں ہے حسرت قاتل مجھے
تو ہی پہنچا دے وہاں اے جذبۂ منزل مجھے
پاؤں سے اپنے پہنچنا ہے وہاں مشکل مجھے
دو قدم چلنا بھی اب تو ہو گیا مشکل مجھے
اب تو منزل ہو چلی اے حسرت منزل مجھے
ہو گیا حاصل سکون قلب تو نیند آ گئی
مل گیا سونے کو بستر دامن قاتل مجھے

ایسے مرنے کے تصدق جس میں ہو لطف حیات
ایسے جینے کا مزہ ہر وقت ہے حاصل مجھے
حسن سے آسان ساری ہو گئیں دشواریاں
عشق سے ہر بات میری ہو گئی مشکل مجھے
ہے یہ سرخی زینت عنوان باب میکدہ
بھول جاتا ہوش میں آ کر نہ اے غافل مجھے
کشتی عمر رواں پہنچا کے رخصت ہو گئی
اے نکیلے بحر ہستی میں لب ساحل مجھے

۸۵ - وفا فرخ آبادی

اب کہیں پہنچا بھی دے اے اضطراب دل مجھے
شوق نے دشوار کر دی ایک اک منزل مجھے
کر دیا وارفتگی شوق کا حاصل مجھے
تو نے کس انداز سے دیکھا تھا اے قاتل مجھے
یہ نظر آیا جنون عشق کا حاصل مجھے
مشکلیں آساں ہوئیں آسانیاں مشکل مجھے
شوق محو بیخودی، امید غرق اضطراب
لے تو آیا ہے کسی مرکز پہ میرا دل مجھے
چند سانسیں رہ گئی ہیں کارفرمائے حیات
کیا مٹا کر ہی رہے گا اضطراب دل مجھے
مرحبا حسن تصور، مرحبا صد مرحبا
دور رہ کر بھی کسی کا قرب ہی حاصل مجھے
کیوں ڈراتی ہے عبث آ آ کے اے موج فنا
دیکھنا ہے ہر طرف دریائے بے ساحل مجھے

یہ [illegible] کون ہے نشتر نواز
اک خلش محسوس ہوتی ہے قریبِ دل مجھے
خاک کرنے میری ہستی کو بنا دے گردِ شوق
جذبہ ہوتا ہے تجھی میں کاروانِ دل مجھے
کھینچتا تھا کب سے آغازِ جنوں اپنی طرف
آج ہونا ہی پڑا آوارۂ منزل مجھے
تیر بن کر چھیڑ یا شمشیر ہو کر دل میں ڈوب
قتل کے انداز سب دکھلائے جا قاتل مجھے
اب کہاں میں، اب کہاں وہ گرمیِ ذوقِ نگاہ
تو ہی تو دکھلائی دیتا ہے سرِ محفل مجھے
ختم ہونے کو قریب آئے حدودِ عاشقی
اک ذرا آواز دے لیکن اضطرابِ دل مجھے
جن کی ہر جنبش سے تھا ہر سانس میرا امتحاں
آج انھیں نظروں نے گھائل کر دیا بسمل مجھے
جب قریبِ عافیت لے جاتی ہے اک موجِ حسن
پھینک دیتا ہے الٹ کر دامنِ ساحل مجھے
ان کے اس طرزِ تغافل کی شکایت کیا وقارؔ
خود مری ہستی ہے جس نے کر دیا غافل مجھے

۷۹ - وقارؔ خورشید حسن ڈبائیوی ملازم پولیس وارد حال بستی یوپی)

دے گیا دھوکہ یہاں کمبخت لا کر دل مجھے
کچھ پتہ تو ہی بتا دے اے مری منزل مجھے
ان کی نظروں میں بنا دے رحم کے قابل مجھے
ہاں دکھا دے اک نئی دنیا نگاہِ دل مجھے
میں وہ ہوں پروردۂ طوفانِ آغوشِ حیات
موت کی لہروں میں آتا ہے نظر ساحل مجھے
پیشِ داور جب سرِ محشر مچایا میں نے غل
دے دیا چپکے سے لا کر اس نے میرا دل مجھے
ہر نظر میں آ رہا ہے اک نیا جلوہ نظر
ہر نفس دکھلا رہا ہے اک نئی منزل مجھے
جا ہی پہونچوں گا کبھی منزل پہ اٹھتا بیٹھتا
کر دیا ہے دردِ دل نے اب تو اس قابل مجھے
ہر قدم پر خاک کے ذرے اٹھا لیتا ہوں میں
دے رہے ہیں سینکڑوں دھوکے تلاشِ دل مجھے
بھا گئیں ان کو بھی کچھ ایسی مری رسوائیاں
کر لیا آخر شریکِ رونقِ محفل مجھے

ہوگیا یاس و تمنا کا بھی اب قصہ تمام
دل کو میں گم کر چکا ہوں کھو چکا ہی دل مجھے
حسرت اتنا ہی بتا دے او کماندار نظر
کون سی تھی وہ نظر جس نے کیا بسمل مجھے
اللہ اللہ جذبۂ شوق شہادت ہائے وقاص
جب نظر اٹھتی ہے آتا ہے نظر قاتل مجھے

ہلال شیخوپوری

کھو گیا ہے اس طرح کچھ لیکے میرا دل مجھے
ڈھونڈتی پھرتی ہے اور پاتی نہیں منزل مجھے
سونپ کر فطرت نے میری ایک کافر دل مجھے
کر دیا ہر عشق کی افتاد کے قابل مجھے
جان سے بیٹھے کر لیا دینا آپ سے مطلب نہیں
دل کو میں قاتل کہوں یا دل کہے قاتل مجھے
وہ بھی دن تھے جب لب ساحل تھا گرداب بلا
آج گرداب بلا ہے ہر لب ساحل مجھے
لے چلا ہے دل سے یہ کہکر جنون بیخودی
اب بتا دینا ہے ہر ذرہ کو اک منزل مجھے
عشق کیا ہے حسن بیرنگی بھی پا سکتا نہیں
لے اڑی ہے اس طرح رنگینیٔ محفل مجھے
پا ہی جاؤں گا کبھی جذب شہادت کا صلہ
اک نہ اک دن مل ہی جائیگا کوئی قاتل مجھے
او سراپا ناز تجھ کو اپنی آنکھوں کی قسم
ہاں بتا بھی دے نگاہ ناز کے قابل مجھے
اب مری ناکامی پیہم یقینی ہے ھلال
حضرت دل سا ملا ہے رہبر کامل مجھے

آشفتہ ـ لکھنوی

بقیہ صفحہ ۱۵

خاندان اجتہاد لکھنو سے ہیں۔ عمر تخمیناً ۳۷ سال ہے جس کے حساب سے سنہ ۱۸۹۴ء میں پیدا ہوئے ہوں گے۔

تکمیل علوم مشرقیہ اپنے خاندان میں اور علمائے فرنگی محل سے ہوئی شمس العلما مولانا عبدالمجید صاحب قبلہ مرحوم فرنگی محل اور حضرت مولانا عبدالباری صاحب قبلہ مرحوم فرنگی محل سے کی۔

اور علم طب جناب مسیح الملک حکیم حافظ محمد اجمل خاں صاحب مرحوم سے تحصیل کیا اور شاید پہلے شخص ہیں جن کو موصوف نے اپنا خاص اجازہ عطا فرمایا۔ اور یہی الفاظ ان کے اجازہ میں بھی درج ہیں کہ یہ پہلا شخص ہے۔ جس کو میں نے تکمیل فن طب کی علمی اور عملی تعلیم دینے کے بعد اجازہ دیا ہے۔

۱۲ برس کی عمر سے شعر کہتے ہیں۔ ابتدائی دور میں لسان الہند جناب عزیز لکھنوی سے مشورہ کیا۔ اور تقریباً پانچ چھ سال تک ان کے فیوض سے افا حاصل کرتے رہے۔

ملک و قوم کی بہت کافی خدمت کی ہے سنہ ۱۹۲۱ء میں بسلسلہ تحریک خلافت و کانگریس ۶ ماہ کی سزا بھی پا چکے ہیں۔ ذوق خدمت قوم آج بھی اسی حد پر دل میں موجود ہے۔

ادبی ذوق کے سلسلہ میں ایک انجمن معراج الادب کے نام سے سنہ ۲۶ء سے لکھنؤ میں قایم کی۔ جو تقریباً تمام ہندوستان سے روشناس ہے۔ سنہ ۱۹۲۱ء سے اسی سلسلہ میں ایک ادبی پرچہ "مبصر" بھی نکالا ہے جس کا اب یہ تیسرا سال شروع ہے۔

اللہ

۸۱۔ اظہر مین پوری

اظہر حسین نام، جناب اصغر مین پوری کا ہفت سالہ بچہ۔

غزل

کہہ سکیں سب اہل عالم عالم و فاضل مجھے   اے خداوند جہاں کر دے تو اس قابل مجھے
میں ترا چھوٹا سا بندہ ہوں کرم کر بے حساب   یا الٰہی تو بنا دے ہر طرح کامل مجھے
کنگ ریڈر ختم کر کے اس لئے دل شاد ہوں   اب رقابت بھی نظر آنے لگے جاہل مجھے
صبح و شام اظہر خدا سے یہ دعا مانگا کرو   لکھنے پڑھنے پر لگے جو، وہ عطا کر دل مجھے

۸۲۔ بوم ہاپوڑی

روز کہتا ہے کہ دکھلا کوئی قاتل مجھے   جوتیاں کھلوائے گا اُلّو کا پٹھا دل مجھے
دیکھ کر اللہ نے کچھ عشق میں کامل مجھے   دیدیا سسرا زمانہ بھر کا درد دل مجھے
آپ جو اکثر کہا کرتے ہیں مجھ کو بیوقوف   دیکھا دیکھی غیر بھی کہنے لگا جاہل مجھے
خوب یہ روز ازل اللہ کو سوجھا مذاق   دیدیا پھوٹا مقدر اور ٹوٹا دل مجھے
تنگ آ کر وصل کی شب اُن کا کہنا ناز سے   آج تو تم بھی نظر آتے ہو کچھ قاتل مجھے
قبر سے آگے کسی نے بھی نہیں رکھا قدم   بھاگ آئے چھوڑ کر سارے سرِ منزل مجھے
آرزوئیں اس قدر اس میں سما سکتی نہیں   اے خدا دیتا کوئی دو چار گز کا دل مجھے
جاتے ہیں گر ہم پلس میں بھی تو خنجر باندھ کر   آرزو یہ ہے کہ بھنگی بھی کہیں قاتل مجھے
جس قدر بچے ہیں بیوی گھونٹ دے سب کا گلا   اب تو بھاتی ہی نہیں دن رات کی کل بل مجھے

بندہ پرور جب بن کر کھاؤ گے یا ڈالو گے پان   تم جو ہر اک سے کہا کرتے ہو دیدہ و دل ہے مجھے
نجد کے بن میں لگا جاڑا تو مجنوں نے کہا   اوڑھنے کو کوئی لاشہ ہے پردہ محمل ہے مجھے
کام وہ تلوار سے لیتے تو پھر کیا ٹھیک تھا   انچ بھر ابرو نے ان کے کر دیا گھائل مجھے
ہائے کس انداز سے کرتے ہیں وہ دل کا سوال   گر نہیں تم پہ تو لا دو تم کسی کا دل مجھے
یوں اب قسمت پہ مجھ کو ناز کرنا چاہئے   مل گئے اب تو نصیر الدین سے قاتل مجھے

۸۳ - چونچ - بن پوروی

ہر طرح آتا ہے کرنا خارج و داخل مجھے   چار پیسے بھی نہیں دیتا مگر سائل مجھے
بھیک مانگے سے بھی کچھ ہوتا نہیں حاصل مجھے   کیا وکیلوں میں کرایا باپ نے شامل مجھے
چھوڑ دی قسمت نہیں رکھا کسی قابل مجھے
خونیں ہر اک کر دیا تھا تیر سے واصل مجھے   چند سانسیں آ رہی تھیں لیت فاصل مجھے
صرف پر پوتوں کو کرتا رہ گئی تھی دل مجھے   تھی نہ اتنی سال پر مٹی کی بھی حاصل مجھے
دے گیا دو دو برس کی سات میرج بل مجھے

کچھ غرض اس سے نہیں حیوان یا انسان ہو   مصدر قانون قدرت کا یہی عنوان ہے
ہر جگہ تذکیر اور تانیث کا سامان ہے   عاشق و معشوق میں بھی فعل کی گردان ہے
ورنہ کیوں مفعول تجھ کو کہتے ہیں فاعل مجھے
ایک بیوی ہے مگر بیوہ ہے گو با ٹیم ٹام   جیسے بوسیدہ کوئی پھوٹی ہوئی پیندی کا جام
بے بٹن کا کوٹ بے فیتے کا جوتا ہے مدام   شوق عالی جیب خالی ہر گھڑی گڑبڑ سی کام
الغرض جو چیز ہاتھ آئی وہ مستعمل ہے مجھے

شکل بھی فکر تقاضا سے شگفتہ ہو گئی　　اور دنیا [illegible]
ہر بن مو میں غرض داخل ہر نشتر ہو گیا　　میم صاحب کی [illegible]
جتنے دل سے کم اثر ہے جو تیروں کا ہیں چھٹے

اُٹھ گئی تخصیص کی محفل شعر کی ہر نوک پر　　سامعین ادھم [illegible]
آپ ہی کہئے کہ دل کیسے دکھاؤں چیر کر　　زخم وہ کاری لگا جو [illegible]
چنچ نے ایسی جگہ پر کر دیا گھائل مجھے

۳۷ "چغۃ الشعراء" سادھو چمن لال صاحب شمس فرخ آبادی[۵]

"چغۃ الشعراء" صاحب فرخ آبادی تخلص سے اب "چرخ" تخلص کیا [illegible] فرخ آباد کے ٹھیکیدار ہیں۔ آپ کی چغیت نے آپ کو بھی ایک [illegible] آپ کے حالات، کوائف اور اشعار کا خلاصہ کرنا ہماری طاقت سے باہر ہے [illegible] حقیقت تو یہ ہے کہ ہم خلاصہ کرنے سے مجبور ہیں کیونکہ ایک لفظ کو [illegible] بھی اس کی لطافت جاتی رہے گی لہٰذا آپ کی سرگزشت لفظ بلفظ [illegible] کی جاتی ہے حتیٰ کہ ہم نے املا و انشاء میں ایک نقطہ تک کی ترمیم و تصحیح نہیں کی ہے۔

---

[۵] ہمارے ناظرین چغۃ الشعراء کے مفہوم کو خود سادھو جی کی زبانی سمجھیں۔ آپ فرمایا کرتے ہیں "پہلے زمانہ میں علماء و فضلاء اور شعراء کو "چغے" عطا ہوتے تھے اور وہ لوگ "اہل چغہ" کہلاتے تھے۔ چونکہ فی زمانہ میرا ہمسر شاعری کوئی نہیں ہے۔ اور اب یہ رواج مسدود ہو گیا۔ لہٰذا مجھے "چغۃ الشعراء" کا خطاب [illegible] جس کو میں نے اپنا تخلص قرار دے لیا ہے اور اس کے معنی ہیں "شاعری کا چغہ حاصل کئے ہوئے یا زینت الشعراء" کہئے ہمارے سادھو جی نے زمانہ گزشتہ کے خرقۂ عالمانہ و فقیرانہ اور موجودہ دور کے "گون" کو مرکب کر کے کیسا علمی لباس تیار کیا ہے؟
(مرتب)

[illegible]

[illegible] تعریف [illegible]

[illegible] ہے۔ [illegible]

[illegible]

[illegible] چھنا لعل [illegible] ساکن فرخ آباد

چھنا لعل ولد [illegible] رام شاہ ساکن فرخ آباد محلہ [illegible] مکان خاص [illegible] [illegible] گنگا [illegible] چھنا لعل [illegible] ایک [illegible] نام [illegible] ہے۔ اور [illegible] لڑکے ہیں۔ بڑے لڑکے کا نام پھول موہن جن کی عمر تقریباً پندرہ سال ہے۔ دوسرا لڑکا جن کی عمر [illegible] تقریباً [illegible] سال [illegible]۔

چھنا لعل کی عمر تقریباً ۴۸ اڑتالیس برس کے قریب ہے۔ انہوں نے نو برس کی عمر میں پہلے انگلش اسکول گورنمنٹ فرخ آباد میں انگلش تین یا چار برس پڑھ کر پڑھنا چھوڑ دی ۳ درجہ پاس کر کے۔ بوجہ کوٹھیان نیل کے کاروبار میں جانے لگا جو کہ کوٹھی نیل پوریا قصبہ بھدر ضلع مین پوری۔

پہلے [illegible] تحصیلی اسکول فرخ آباد میں اردو پڑھی اور دو فقط دو پڑھ کر چھوڑ دی۔ ۲ درجہ اور دو پاس کئے باد (بعد) میں پراوٹ (پرائیویٹ) طور پر کتابیں قصہ کہانی کی کوٹھی نیل میں پڑھتا رہا۔ یہ کتابیں میں نے اردو کی پڑھی۔ رستم نامہ نظم۔ فسانہ عجائب (عجائب) لکھنوی۔ حاتم طائی۔ دیوان ظفر۔

آد. دیوان قلیات (کلیات) نظم نثر وغیرہ۔ (۱)، (۵) مثنوی میر حسن (حسن)، چھبیلی بھٹیاری، طوطا مینا۔ اندر سبھا، اور بہت سے غزلیات و غیرہ (وغیرہ) پڑھنے سے شوق شاعری خدبہ خد (خود بخود) حاصل ہوگیا۔

بادہ بعد میں سن ۱۹۱۵ء میں فری کمپنی لندن کا کاروبار کردیا اور خت (خط) کتابت کرنا شرو (شروع) کردیا۔ سن ۱۹۱۹ء میں فری کمپنی لندن سے ایک بہت بڑی ڈگری مجھ کو دی۔ جو کہ صدر تحصیل فرخ آباد کے مارفت (معرفت) میرے پاس آئی اور تحصیلدار صاحب بل رام سنگھ نے مجھ کو کل کاغذات اپنے ہاتھ (ہاتھ) سے دیے۔ وہ ڈگری یہ ہے۔

یہ کہ اوشی (اوسی) فری کمپنی لندن کا کام کچہری فرخ آباد اودنیا و آئین یو پی (یو پی) میں بیر آیا ہے جس میں مجھ کو مانی (معافی) علقع (علاقہ) کرنل اور بیور کا علقع (علاقہ) شمر کار نے مانی مجھ کو خزانہ کلکٹری سے دی ہے۔ وہ صاحب کلکٹر صاحب یو پی کو بخوبی بالوم (معلوم) ہے۔

آج بتاریخ ۱۳ فروری سن ۱۹۳۱ء یہ صوان (سوانح) عمری بدست چھتا لعل شاد جہد الشعراء کے قلم سے تحریر ہوا ہے فقط دسخط (دستخط) چھتا لعل شادہ

غزل

دیہر (دیر) و حرم کے دور ہیں یہ بادبان سے تنے　　کیوں طوفاں اٹھاتا ہے نکل جانے دے ساحل مجھے
قافلا (قافلہ) اب ہے بڑا ہر جا نشانہ دین کا　　راہ جنت دور ہے طے کرنی ہے اب منزل مجھے

عین الحق بھی کہہ کر کوئی دار پر گیا
انا الحق
ہر ادائے دلنوازی ہوگئی قاتل مجھے

عصطلام اور ہندو دو دین ہیں جہاں میں
اسلام
مصرعہ فرضی سا ہو
تو وہ بھی ایک ساحل مجھے یہ بھی بے ساحل مجھے

یکائے دین کو دیکھو تو پھر نظرے خدا آئے
نہان
اور کون کہتا ہے مجھے اجی قاتل مجھو قاتل مجھے

چنذا الشعرا نے یہ نظم بھی ابھی لکھی
اور پھر لکھیں گا حال دل کہو ہوا حاصل مجھے

یہ نظم فورن (فوراً) ابھی تاریخ ۱۳ فری وری (فروری) سن ۱۹۳۱ء وخت (وقت)
۲ بجے شام کو لکھی دستخط (دستخط) چنذا لعل شاد چنذا الشعرا فرخ آباد محلہ شد بارٹہ

۸۵ - غنچہ ۔ محمد حسین طالب علم

مدرسہ میں جب زبردستی کیا داخل مجھے
والد قبلہ نظر آنے لگے قاتل مجھے

پہلی منزل نے دکھا دی دوسری منزل مجھے
لیچلا اسکول کو جب جذبۂ کامل مجھے

پڑھنے کو لیجا رہا ہے کھینچکر اب دل مجھے
کھیلنے کا تھا ابھی تک شوق لاقائل مجھے

ہے شب تاریک میں درس کتاب زندگی
چاندنی کا کھیت ہیں یہ میرے داغ دل مجھے

اک ذرا بھولا تھا میں دو تین تھپڑ لگ گئے
مولوی صاحب نے آخر کر دیا بسمل مجھے

امتحاں کا دن جب آیا تو میں پرچی ملا
ہم سبق میرے سمجھتے تھے بڑا قابل مجھے

پہلی ہی قینچی میں میرے سر کے ٹکڑے کر دیئے
ماسٹر کا بید بھی تھا خنجر قاتل مجھے

آٹھ تک کر دس بجے گیارہ بجے چھٹی نہیں
ہے مرا اسکول بھی دریائے بے ساحل مجھے

تھوڑا سا پڑھ لکھ کے ہی عرش معلیٰ پر دماغ
قابلیت نے بنایا ہے بڑا جاہل مجھے

گیند کو فطرت نے سینہ میں مقید کر دیا
توڑنا ہے اپنے بلے سے طلسم دل مجھے

ہے مرے اشعار پر ہر سمت شور مرحبا
ل ہی ہو دالے غنچہ سر محفل مجھے

نکیلے - جونپوری

خانۂ ہستی ہے اپنا کاروان منزل ہے مجھے
دو رہیں گھیرے ہوئے ہیں اپنے پہ محفل ہے مجھے

ٹالنا دشمن پہ کمبل پھیر نہ ہو مشکل ہے مجھے
کام بن جاتے اگر مل جائے اد لن ل ہے مجھے

ساربانی کو ملا ہے قیس کا کمبل ہے مجھے
ہاتھ آیا اس طرح میراث میں محمل ہے مجھے

لسٹ میں اپنی نہ لکھئے غیر کے شامل ہے مجھے
اس کو خارج کیجئے پھر کیجئے داخل ہے مجھے

نازبرداری کرے بیگار میں ٹھینگا مرا
مجھ سے اٹھوانا ہو تو تم دیدو میرا دل ہے مجھے

مرمٹوں کا جان دے دینا اک ادنیٰ کام ہے
تو نے اے قاتل سمجھ رکھا تھا کیا بزدل ہے مجھے

ٹال دینا آئے دن فردا پہ وعدے کی وفا
دیکھنا ہے اب تمہارا وعدہ باطل ہے مجھے

غیر ہی جیتا رہے گا کیا تمہاری سیر کا
دیدیا ہوتا کبھی تو ایک دو تل ہے مجھے

تم نہیں کہتے نکیلا نام بھی لیتے نہیں
تو کہو گے کیا ہمیں اب کہدو اکا صل ہے مجھے

باقیات

انجم - بھرتپوری

بقیہ صفحہ ۱۰

اشتیاق حسین نام، سید تجمل حسین داستان حزیں کے بیٹے سادات ساکنان بھرتپور سے ہیں۔ آپ متھرا میں پیدا ہوئے ہیں اردو و فارسی کی ابتدائی تعلیم پائی اور جب عالم صغر سنی میں آپ کے والد صاحب نے انتقال کیا تو برائے چندے بھرتپور میں تعلیم پاتے رہے۔ اب محکمہ پولیس مین پوری کے شعبہ چھاپ انگشت" میں "ہیڈ پروفیشنٹ" ہیں۔ آپ کو جناب تسنیم بھرتپوری تلمیذ حضرت داغ سے شرف تلمذ حاصل ہے۔

جگر - مرادآبادی

بقیہ صفحہ ۵۶

علی سکندر نام، جگر تخلص، علی نظر کے بیٹے اور سادات مرادآباد سے ہیں۔ آپ کا خاندان تمول، نجابت، امارت اور علم و فضل کی حیثیت سے زمانہ قدیم سے بہت ہی نمایاں اور ابتداءً سکونت پذیر دہلی تھا۔ آپ کے خاندان کے مذاق علمی کے متعلق صرف یہ کہہ دینا کافی ہوگا۔ کہ مستورات تک ذوق شعر و سخن سے خالی نہ تھیں۔ زمانہ نے بھی قدردانی کا خاتمہ کر دیا تھا کہ اس خاندان کے ارکان اتالیقی شاہزادگان مغلیہ کے مناصب پر سرفراز ہوئے۔ چنانچہ مولوی محمد سمیع صاحب جو شاہجہاں کے اساتذہ میں ایک ممتاز استاد تھے جگر صاحب ہی کے آبا و اجداد میں سے تھے۔ شاہزادہ اعظم (بن اورنگ زیب عالمگیر رح) کے اشارہ سے آپ کے کسی بزرگ نے شاہزادہ کے نام سے موسوم کر کے نواح مرادآباد میں اعظم پور باشتہ

نامی ایک گاؤں آباد کیا تھا۔

چونکہ اس وقت جگر صاحب کی عمر تخمیناً چالیس سال کی ہے لہٰذا غالباً آپ ۱۸۹۵ء میں عالم وجود میں آئے ہوں گے۔ عربی، فارسی اور اردو کی ابتدائی تعلیم مکاتب مرادآباد میں ہوئی۔ پھر کچھ دنوں وہیں کے اسکولوں میں انگریزی پڑھی اور لکھنؤ میں نویں درجہ تک پڑھکر ترک تعلیم کیا۔

چونکہ آپ کے والد صاحب جو نظر تخلص کرتے تھے۔ شاعری کے علاوہ موسیقی کے بھی ماہر تھے۔ اور تایا مولوی علی اکبر صاحب اکبر مشاہیر علماء و شعراء میں اور پھوپھا جناب اشفاق مرادآبادی ایک بہت بڑے شاعر و ادیب تھے۔ ادھر مستورات میں شاعری جاری ساری تھی۔ اس لئے اندر سے باہر تک ہمہ وقت شعر و سخن ہی کا چرچا رہتا تھا۔ اور اس فضائے شعری نے آپ پر ایک گہرا اثر ڈالا۔

آپ کے والد اور تایا صاحب کے مابین مذاق شعری میں اختلاف تھا۔ والد صاحب خواجہ وزیر کے تلامذہ میں موافق غایتہ تھے اور تایا بحیثیت علمیت مذاق شعری میں باپ سے بالا و برتر۔ اور قتیل کے معتقد تھے۔ دونوں صاحبان کے بچوں میں بھی اس اختلاف کی بنیاد پڑ گئی اور جگر صاحب نے اپنے برادر عمزاد کے مد مقابل بنکر ۱۱ سال ہی کی عمر سے شاعری شروع کردی۔ آپ کے بھائی محمود احمد صاحب نے ایک دن آپ سے قتیل کی تعریف کی۔ آپ نے "در کلاہش بوسے گیجوری می آید" کو دہرا دیا۔ اس پر کچھ برادرانہ مجادلہ رہا۔ اور آپ نے اسی جذبہ کے ماتحت ایک فارسی غزل کہی جس کا ایک شعر یہ ہے۔

؎ کرد مارا ایک نظارہ قتیل ٭ ختم بر تست اے چہ رعنائی

اس زمانہ میں آپ نے "پرتوست" لکھا تھا۔

آپ نے پہلے اپنے والد ماجد سے کچھ تھوڑا سا، پھر جناب [illegible] آبادی سے پھر دو
تین غزلوں پر حضرت داغ مرحوم سے، پھر بذریعہ خط و کتابت، بعدہٗ دو تین غزلوں پر منشی حیات بخش
صاحب رسا شکوہ آبادی مرحوم سے اور ایک غزل پر مرزا اعظم حسین رتبن اکبرآبادی سے اور
ایک پر منشی امیر اللہ تسلیم مرحوم سے اصلاح لی لیکن طبیعت کہیں بھی مطمئن نہ ہوئی۔ گو آپ کو
فوائد زیادہ حضرت رسا مرحوم سے پہونچے لیکن صحیح معنوں میں آپ اپنا استاد حضرت اصغر
گونڈوی کو تصور کرتے ہیں۔ کیونکہ رفعت خیال اور تمام اصول صحیح جو بنیاد شاعری موصوف اصغر
صاحب ہی کے ذریعہ سے حاصل ہوئے ہیں۔

جگر صاحب ابتدا ہی سے صحرائیت و بیگانگی پسند، عملیت سے مجتنب اور آزادہ وضع
مزاج ہستی ہیں۔ ابتدائی عمر میں وطن چھوڑا۔ وہ آگرہ میں بسلسلہ تجارت چشمہ قیام پذیر رہے۔ وہیں
پہلا معاشقہ ہوا۔ اس زمانہ سے آج تک ایسے حالات و واقعات پیش آتے رہے کہ دل میں درد و گداز
ہی پیدا ہوتا چلا گیا۔ مگر باوجود اس کے فطری اقتضا جوش و مستی کبھی فنا نہ ہوا جس نے آن بان
میں کبھی فرق نہ آنے دیا۔ آپ کا دل خون ہو کر بہہ ہی کیوں نہ جائے مگر چہرہ کی مسرت میں کبھی کمی
نہ آنے پائے گی۔ اور یہ تمام تر تاثرات آپ کی شاعری میں برابر موجود ہیں۔ حالات بہت جلد
جلد بدلتے رہے۔ اور ان کا اثر آپ کی شاعری پر اس قدر پڑا ہے کہ دوسروں کے کلام میں نہ ہوگا

آپ موجودہ دور کے شعرائے مشاہیر سے ہیں۔ تنقید آپ کا حصہ ہے۔ فسانہ کے متعلق
آپ کا معیار یہ ہے کہ اردو میں کوئی نہیں جانتا۔ اور کوئی فسانہ ایسا نہیں ہے جو انگریزی سے
مستخرج نہ ہو۔ بنگالی البتہ مذاق سلیم رکھتے ہیں۔

شاعری کے باب میں آپ کا نقطۂ نگاہ یہ ہے کہ شاعر ایک آرٹسٹ ہے جس کا کام
اپنا کام کئے جانا ہے۔ اسے لوگوں کی تنقیدات کی طرف قطعی متوجہ نہ ہونا چاہئے اور ہر شئے

سے بے نیاز بنا دیا ہے۔

آپ نے اکثر مضامین لکھے جو اردو زبان کے باعث شائع کئے۔ اشعار شعور کے عنوان سے کچھ مضامین تحریر کئے جن میں سے بہت سے موقر رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔ چند سیاسی مضامین جنگ طرابلس کے دوران لکھے تھے۔ نہ معلوم ان کا کیا حشر ہوا۔

ایک بہت ہی قابل قدر مختصر سا رسالہ جس کو شاعری پر نفسیاتی تبصرہ کہنا چاہئے اور جس میں اردو شعرا اور شاعری جن منازل سے گزر رہی ہے۔ ان پر باقاعدہ تبصرہ کیا ہے غالباً حضرت اصغر گونڈوی کے پاس محفوظ ہے۔

دیوان فانی پر ایک تبصرہ لکھا ہے۔ "داغ جگر" یعنی آپ کے کلام قدیم کا مجموعہ آپ سے یادگار ہے۔ موجودہ روش پر کہا ہوا کلام جناب جلیل قدوائی مرتب کر رہے ہیں۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جناب جگر نے ایک روش خاص کا سنگ بنیاد رکھا ہے اور وہ ایک خاص اسکول کے بانی ہیں۔

دور - کانپوری

محمد سعید الحسن نام، دور تخلص، فیض الحسن انصاری کے صاحبزادے، شیوخ انصار گنگوہ شہر سے ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے۔ اب آپ کا خاندان کانپور منتقل ہو آیا ہے۔

دور صاحب سنہ ۱۹۱۰ء میں بمقام کانپور پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم فارسی و اردو سے فارغ ہو کر آپ نے انٹرنس تک انگریزی پڑھی۔ اب صنعتی و حرفتی تعلیم کی تکمیل میں مصروف ہیں۔

آپ کا خاندان علوم عربیہ میں ہمیشہ سے ممتاز رہا۔ طبابت آبائی پیشہ تھا اور انہیں وجوہ

کی بنا پر علم و فضل آپ کا آبائی سرمایہ ہے۔ آپ نے سنہ ۱۹۲۳ء میں شعر و سخن کی طرف توجہ کی۔ جناب جگر مرادآبادی سے اصلاح لیتے ہیں۔

غزل

غرق موج بادہ کر دے ساقیِ محفل مجھے
چھیڑتا ہے آج اس عالم میں سازِ دل مجھے
خود بنے لیلیٰ۔ بنایا پردہ محمل مجھے
میرے نظارہ میں تم نے کر دیا حائل مجھے
کچھ تو ہی عالم میں تیرے حسن رنگیں کی بہار
اور نظر آتی ہے کچھ صورت گری دل مجھے
شوق آوارہ سلامت، ضعف پیہم برقرار
ڈھونڈھ ہی لے گی کسی دن خود مری منزل مجھے
آپ تو خود پردہ ہر موج میں رقصاں رہے
کر دیا محو تماشائے لب ساحل مجھے
اللہ اللہ انتہائے اضطرابِ جستجو
اب یہ عالم ہے نظر آتی نہیں منزل مجھے
عالمِ کیف تصور میں سراپا غرق ہوں
قربتِ منزل بھی ہے اب دوریِ منزل مجھے
دیکھنا محرومیِ شوقِ شہادت کا اثر
اب تصور میں نظر آتا نہیں قاتل مجھے

سیماب۔ اکبرآبادی

بقیہ صفحہ ۵

عاشق حسین نام، شیخ صدیقی اور وارثی خاندان میں مرید ہونے کے باعث خود کو صدیقی الوارثی لکھتے ہیں۔ مولانا مولوی محمد حسین صاحب اکبرآبادی مرحوم و مغفور کے بیٹے، متوطن اکبرآباد ہیں۔ آپ کے اسلاف نواح قندھار سے پہلے متھرا اور پھر سلطنت مغلیہ کے زمانے میں آگرہ آئے تھے۔

تعلیم و تربیت اپنے والد محترم کے زیر سایہ اجمیر شریف میں پائی عربی، فارسی اور انگریزی کی تکمیل کے بعد آپ کچھ عرصہ تک ریلوے دفاتر میں ملازم رہے۔ مگر اب ۱۹۲۰ء سے آزاد زندگی بسر فرما رہے ہیں۔ فن شعر میں فصیح الملک حضرت داغ دہلوی سے آپ کو فخر تلمذ حاصل ہے۔ مگر اس وقت آپ کا شمار اساتذہ وقت میں ہے۔ آپ کا ایک خاص اسکول ہے جس سے استفادہ کر کے آپ کے کئی تلامذہ اخباروں اور رسالوں کی ادارت کر رہے ہیں۔ آپ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ اور اس وقت ہفتہ وار "آج" آپ کی ادارت میں آگرہ سے نہایت کامیابی کے ساتھ دو سال سے جاری ہے۔ مشہور رسالہ "پیمانہ" کے بھی آپ مدیر خصوصی ہیں۔ اور پندرہ روزہ اخبار "شاعر" آگرہ بھی آپ کی نگرانی میں شائع ہوتا ہے۔ ان جرائد کے علاوہ ملک کے اکثر جرائد و صحائف میں آپ کا ہاتھ ہے۔ اس وقت آپ کی عمر ۵۳ سال ہے۔

بیخود ڈبائیوی

بقیہ صفحہ ۵۰

بابو رام نام، بیخود تخلص ۱۸ جون ۱۹۰۰ء کو اپنے وطن ڈبائی میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۲۵ء میں جناب ابو المسعود عاشق دیجی ڈبائیوی سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ انٹرنس تک تعلیم پائی ہے اور اس وقت پرائمری اسکول ڈبائی میں ملازم ہیں۔